طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/-
روپے

ٹیلیفون : 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط وکتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25۔بی گلبرگ لاہور

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان 170- روپے
غیر ممالک 800- روپے

جلد 53 اپریل 2000 شمارہ نمبر 04

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)
: ——— :
اکاؤنٹینٹ : مرزا زمرد بیگ
سرکولیشن منیجر وکمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- اقبال ادریس
ناشر :- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور ---- فون: 7232584

فہرست

نعت	ادارہ	3
دوسری طاہرہ بیٹی کا خط	ماخوذ از طلوع اسلام (مارچ 1961ء)	7
مسیح اور مہدی کب آ رہے ہیں؟	ڈاکٹر شبیر احمد	13
دانش وروں کے نام	محمد اشرف ظفر	19
جبری شادی	خادم ملک۔ ناروے	26
عائلی قوانین	آصف جلیل	31
سلیم بھائیوں کے نام	ایک طاہرہ بیٹی	33
جناب پرویز مشرف اور محترم ممبران NAB	سردار حمید خان۔ کھاریاں، اوسلو	35
حقائق و عبر	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	36

ENGLISH SECTION

1- Open Letter to the Chief Executive of Pakistan
By Dr. Syed Abdul Wadud 64

2- Agenda For Islamic Economic Reform
(Part II) 58

3- Parwez is not Alone
By Dr. Imran Parvaiz 48

4- A Letter to Nazim
From Maqbool Farhat (England) 45

5- Voice of Youth (A Monologue)
By Saima Hamid 44

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

خواتین کا عالمی دن

۸ مارچ کو خواتین کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس روز دنیا بھر میں سیمینار، کنونشن اور کانفرنسیں منعقد کی جاتی ہیں تاکہ خواتین کے حقوق اور حفاظت و سلامتی کیلئے معاشرتی قوتوں کو متحد کیا جائے اور اربابِ حل و عقد کو اس ضمن میں ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے۔ امسال بھی یہ دن روائتی جوش و جذبہ سے منایا گیا۔ حکومتِ پاکستان کی وزارت برائے ترقیِ خواتین نے اس موقعہ پر ایک قومی کنونشن کا اہتمام کیا جو اسلام آباد میں منعقد ہوا۔ پاکستان کے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف صاحب نے اس تقریب میں بنفس نفیس شرکت فرما کر اس کی اہمیت اور شہرت کو مزید اجاگر کر دیا۔ اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اقتصادی ترقی اور امن عامہ کے حصول کیلئے ملکی معاملات میں خواتین کی بھرپور شمولیت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ حکومت ان کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرے گی اور ان کے خلاف ہر قسم کے تشدد، غیر انسانی سلوک اور امتیازی قوانین کو ختم کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خواتین کیلئے ایک ایسا ہموار میدان تیار کر رہے ہیں جہاں وہ ترقی کی دوڑ میں بلا رکاوٹ حصہ لے سکیں گی۔ اس ضمن میں آپ نے چند اہم اعلانات بھی کئے ایک تو یہ کہ آپ نے ان تمام خواتین کی رہائی کا حکم دیا جو کہ سنگین مقدمات میں ملوث نہیں اور دوسرے تمام سرکاری اداروں میں خواتین کی ملازمت کیلئے ۲۰ فیصد کوٹہ مقرر کیا۔ علاوہ ازیں آپ نے ایک خود مختار کمیشن تشکیل دینے کا اعلان کیا، یہ کمیشن خواتین کی ترقی سے متعلق پالیسی وضع کرے گا اور ضروری قانون سازی کیلئے حکومت کو اپنی تجاویز اور سفارشات پیش کرے گا۔ اس موقعہ پر وفاقی وزیر برائے ترقی خواتین مسز زبیدہ جلال نے بھی خواتین کی بہتری کیلئے سات نکات پر مشتمل تجاویز پیش کیں۔

فی الحال اس ضمن میں کچھ کہنا قبل از وقت ہو گا کہ ان تجاویز اور اعلانات کے کیا مثبت نتائج برآمد ہوتے ہیں اور ان سے خواتین کی حالتِ زار کو بہتر بنانے میں کس قدر مدد مل سکتی ہے۔ بہر حال حکومت اس لحاظ سے تعریف کی مستحق ہے کہ اس نے خواتین کو درپیش مصائب و مشکلات کو جانا اور ان کے حل کیلئے اپنے عزم کا اظہار کیا۔ ہمیں خدشہ صرف اتنا ہے کہ کہیں یہ کمیشن بھی دیگر

سرکاری اداروں کی طرح ناکارہ ثابت نہ ہو۔ ماضی میں اس طرح کے کئی کمیشن قائم کئے گئے۔ انہوں نے بڑی لگن اور محنت سے اپنی سفارشات اور تجاویز حکومت کو پیش کیں۔ لیکن ان پر عمل درآمد نہ کرایا جاسکا اور وہ سرد خانے کی نذر ہو گئیں۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ یہ کمیشن روائتی ڈگر سے مختلف ہو گا۔ ہماری اس امید کو تقویت اس امر سے بھی ملتی ہے کہ اس کمیشن کے ماتحت ایک جوڈیشل کمیٹی بھی قائم کی گئی ہے جو یہ دیکھے گی کہ کمیشن کی سفارشات پر عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ ہم یہ توقع بھی کرتے ہیں کہ کمیشن مزید کسی پس و پیش میں پڑے بغیر اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کر دے گا۔ کیونکہ اس سمت میں پہلے بھی کام ہو چکا ہے۔ ناصر اسلم زاہد انکوائری کمیشن کی رپورٹ ابھی تازہ ہے۔ یہ رپورٹ تین سال قبل تیار ہوئی تھی۔ اس کی سفارشات اب بھی قابلِ عمل ہیں۔ اسی طرح زری سرفراز کمیشن رپورٹ بھی خواتین کی فلاح و بہبود سے متعلق ہے۔ کمیشن ان دونوں رپورٹوں کی روشنی میں اپنی تجاویز مرتب کر سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ترجیحات کا صحیح تعین کیا جائے۔ اور سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

تاہم ان توقعات کے باوجود ہمارے جو خدشات ہیں وہ توجہ طلب ہیں۔ خاص طور پر ان موانعات اور رکاوٹوں کو جن کا تعلق ہمارے سماجی رویوں اور رسم و رواج سے ہے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ معاشرے میں عورتوں کو جائز مقام دلانے کا جذبہ قابلِ فہم بھی ہے اور وقت کی ضرورت بھی۔ لیکن یہ کام ایسا نہیں کہ جو پلک جھپکتے ہو جائے۔ نہ ہی یہ وہ گوہرِ مقصود ہے جو چند قوانین کے نفاذ سے حاصل ہو جائے۔ یہ قلب و نگاہ کی تبدیلی کا متقاضی ہے۔ اس کیلئے معاشی نظام اور سماجی رویوں کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ یہ ایک مشکل اور صبر آزما کام ہے۔ حکومت کو نہایت محتاط ہو کر چلنا پڑے گا۔ عوام کو ایسی امیدیں دلانا جو کبھی بر و مند نہ ہو سکیں اور ایسے وعدے کرنا جو کبھی ایفا نہ ہو سکیں دانشمندی نہیں کہلاتی۔ اس سے حکومت کی ساکھ کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ایسے انتظامی ڈھانچے میں جو پہلے ہی مختلف کوٹوں کے بوجھ تلے دبا سسک رہا ہے اس میں خواتین کیلئے مزید ۲۰ فیصد کوٹے کا اعلان خوش آئند ثابت نہیں ہو گا۔ اس کی بجائے اگر خواتین میرٹ کی بنیاد پر آگے بڑھیں تو یہ ملک و قوم کیلئے زیادہ سود مند رہے گا۔ قوانین پہ قوانین اور اداروں پہ ادارے بناتے چلے جانا کامیابی کا صحیح نسخہ نہیں کہلاتا۔ چیف ایگزیکٹو نے جس کمیشن کا اعلان کیا ہے ہم اس کی کارکردگی پر کیسے بھروسہ کر سکتے ہیں جبکہ یہی ذمہ داریاں وزارت برائے ترقی خواتین بھی سر انجام دے رہی ہے۔ خود آئین کے اندر کئی ایسی شقیں موجود ہیں جن پر اگر عمل کرا لیا جائے تو خواتین کے اکثر مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ در حقیقت ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ حکومتی اداروں کو فعال اور مؤثر بنانے پر توجہ مرکوز کی جائے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ اس ملک کی بیشتر آبادی سدا محرومیوں کا شکار رہی۔ مرد ہوں یا خواتین یہاں کے ظالمانہ نظام اور فرسودہ رسم و رواج کے تحت نہایت تلخ زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن عورتوں کی محرومیاں مردوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ آج جبکہ ساری دنیا میں خواتین کا عالمی دن منایا جا رہا ہے یہ بات کیسے بھلائی جاسکتی ہے کہ پاکستان کی عورت اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم، پسماندہ اور پچھڑی ہوئی ہے۔ پاکستان میں صنفی امتیاز کو قانونی اور آئینی تحفظ حاصل ہے۔ وراثت، شادی، طلاق، حدود آرڈیننس اور قانونِ شہادت کے امتیازی قوانین نے پاکستانی عورتوں کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ وہ برابر کی شہری نہیں۔ قانونی طور پر انہیں مردوں سے

... آ چکا ہے۔ اس صورتِ حال میں یہ فرض کر لینا کہ زندگی کے تمام شعبوں میں عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق ... دلوائے جائیں گے۔ محض ایک مفروضہ ہے۔

اگر حکومت عورتوں کی حالتِ زار کو بہتر بنانے میں حقیقی طور پر مخلص اور سنجیدہ ہے تو تمامتر توجہ اس امر پر مرکوز کی جائے کہ تمام امتیازی نوعیت کے قوانین ختم کئے جائیں۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں عورتوں کو معاشرے میں کبھی جائز حقوق نہیں مل سکیں گے۔ اگر کسی ملک کا آئین اور قانون عورتوں سے امتیاز برتا ہے تو پھر معاشرے میں عورت کی کمزور حیثیت کو باضابطہ طور پر تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ جب عورتوں کو معاشرہ کمزور تسلیم کرتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہے جیسے ایک طاقتور کو کمزور سے کرنا چاہئے۔ یہ ایک فطری ردِ عمل ہے۔ اور اس کے نتیجے میں صنفی عدم رواداری پیدا ہوتی ہے۔ جب تک امتیازی قوانین برقرار رہیں گے ایک روادار معاشرے کا وجود میں آنا مشکل ہے۔

خواتین کے ساتھ جو ظلم و ناانصافی ہو رہی ہے اس کا حل انفرادی چیز نہیں بلکہ معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔ یعنی جب تک ہمارے معاشرے کی اصلاح نہیں ہوتی خواتین کو درپیش مصائب و مشکلات کو تسلی بخش طور پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرے کی اصلاح کے دو مؤثر طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ نظامِ تعلیم کو بہتر بنایا جائے تاکہ نئی نسل اپنی ذمہ داریاں احسن طور پر سرانجام دے سکے۔ اور دوسرے یہ کہ ملکی قوانین قرآنِ کریم کی روشنی میں مرتب کئے جائیں۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ رائے عامہ کو اسقدر ہموار کیا جائے کہ یہ تبدیلیاں آئینی طور پر عمل میں لائی جاسکیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے عورت یا مرد کا صحیح مقام متعین کرنے کا معیار نہ تو ریاستی قوانین ہیں اور نہ معاشرتی اخلاق و ضوابط۔ ہمارے نزدیک معیار فقط ایک ہی ہے، اور وہ ہے کتاب اللہ!

قرآن نے عورت کو کون سا مقامِ بلند عطا کیا ہے اسے دیکھنے کیلئے معلوم کرنا ہوگا کہ دیگر مذاہب نے عورت کو کن پستیوں میں دھکیلا ہے۔ قرآن نے سب سے پہلے اس باطل تصور کی تردید کی کہ خدا نے پہلے مرد (آدمؑ) کو پیدا کیا تھا اور اس کی پسلی سے عورت (حواؑ) نکالی تھی۔ قرآن نے کہا کہ مرد اور عورت ایک اصل کی دو شاخیں ہیں۔ اسلئے پیدائش کے اعتبار سے ان میں ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ **هوالذی خلقكم من نفس واحدة و جعل منها زوجها(۷:۱۸۹)** "اللہ وہ ہے جس نے تم سب کو نفسِ واحدہ سے پیدا کیا اور اس سے اس کے جوڑے بنائے"۔ ایک دوسرے مقام پر کہا **بعضكم من بعض (۳:۱۹۵)** "تم سب (مرد اور عورت) ایک دوسرے میں سے ہو"۔ (ایک دوسرے کے جزو ہو)۔ یوں قرآن نے صنفی عدم رواداری کی بیخ کنی کی۔ اس کے بعد ان باطل تصورات کی تردید کی جو معاشی عدم مساوات کا باعث بنتے ہیں۔ مرد کی بالادستی ختم کرنے اور عورت کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کیلئے یہ حکم دیا کہ مرد اور عورت اپنی اپنی کمائی کے آپ مالک ہیں۔ **للرجال نصيب مما اكتسبوا وللنسآء نصيب مما اكتسبن (۴:۳۲)** "مرد جو کچھ کمائیں وہ ان کا حصہ اور عورتیں جو کمائیں وہ ان کا حصہ ہے"۔ چونکہ مرد اور عورت کی عملی زندگی کے میدان الگ الگ ہیں لہذا بعض خصوصیات عورتوں میں ایسی ہیں جو مردوں میں نہیں۔

ان خصوصیات کے اعتبار سے کہا..... **فضل الله به بعضكم على بعض** (۴:۳۲) "اللہ نے مردوں اور عورتوں میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے"۔ لیکن فضیلت اسلئے نہیں کہ ایک دوسرے کو نیچا دکھایا جائے بلکہ یہ اسلئے ہے کہ ایک دوسرے کی تکمیل کا ذریعہ بنیں۔ قرآن نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا زوج کہا۔ **جعل لكم من انفسكم ازواجاً** (۴۲:۱۱) زوج رفیق اور ساتھی کو کہتے ہیں یعنی مرد اور عورت ایک دوسرے کے رفیق اور ساتھی ہیں۔ ایسے ساتھی کہ ان میں سے کوئی بھی اکیلا مکمل نہیں کہلا سکتا۔ اپنے اپنے میدان میں جو جس قدر سعی و عمل کرے گا اسے اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ کہا **انی لااضیع عمل عامل منكم من ذكر او انثى** (۳:۱۹۵) "تم میں سے کوئی مرد ہو یا عورت، میں کسی کے عمل کو ضائع نہیں کرونگا"۔ تقسیم کار کے فرق کو چھوڑ کر باقی تمام انسانی صلاحیتیں مرد اور عورت دونوں میں موجود ہیں۔ سورۃ احزاب کی آیت ۳۵ میں ان صلاحیتوں میں مردوں اور عورتوں دونوں کا ذکر ساتھ ساتھ چلا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کی عظمت کی داستان خود نوعِ انسان کی عظمت کی داستان ہے۔ جن اقوام نے بھی عورت کو اس کا جائز مقام عطا کیا انہیں عروج حاصل ہوا۔ تاریخِ اقوامِ عالم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی معاشرہ روبہ تنزل ہوتا ہے تو اس وقت عورت کے کردار کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اسے تنزل سے عورت ہی بچا سکتی ہے۔ عورت فساد و خونریزی کی بجائے امن و سلامتی کے کلچر کو فروغ دینے کا سبب بنتی ہے۔ آج بھی نوجوان نسل کی سانسوں میں امن کا پیغام پھونکنے والی ہستی اس کی ماں اور بہنیں ہوتی ہیں۔ عورت متحارب گروہوں میں نفرت کی دیوار بننے کی بجائے صلح و آشتی کے پُل کا کام دیتی ہے۔ عورت کے اس مثبت اور تعمیری کردار کے پیشِ نظر اس کی ترقی کی راہ میں حائل جملہ رکاوٹیں دور کی جائیں۔ ملکی تعمیر و ترقی کے فیصلوں میں شریکِ کار بنایا جائے۔ اس کی حفاظت اور سلامتی کا معقول انتظام کیا جائے۔ اس وقت ملک میں عورتوں پر گھریلو تشدد کے بیشمار واقعات سامنے آ رہے ہیں۔ اور یہ سب حکومت کی لاپرواہی سے ہو رہا ہے۔ یہ اسی غفلت کا نتیجہ ہے کہ ملک میں کاروکاری جیسی شنیع رسم جاری ہے اور کئی معصوم اور بے بس خواتین خاندانی وقار اور جھوٹی عزت کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ لیکن مجرم سزا پانے سے بچ جاتے ہیں۔

عورت کو بھیک یا امداد دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اسے بنیادی سطح پر ایسے مواقع فراہم کئے جائیں کہ وہ ملک کی معاشی، سیاسی اور سماجی زندگی میں بھرپور اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکے۔ انہیں دیہی کونسلوں، بلدیاتی اداروں اور میونسپل کارپوریشنوں میں نمائندگی دی جائے تاکہ ان کی اہمیت کو "گراس روٹ لیول" پر تسلیم کیا جا سکے۔ بلدیات سیاست کی نرسری ہوتی ہیں۔ یہاں سے گذر کر عورت جب سیاسی جماعتوں میں فعال ہو گی تو اپنی اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں آئے گی۔ ہماری نگاہ میں حکومت کو ان امور اور مسائل پر پوری توجہ سے کام کرنا چاہئے۔ اس طرح وفاقی وزیر برائے ترقی خواتین نے جو تجاویز پیش کی ہیں ان پر بھی عمل ہونا چاہئے۔ اس سے قطع نظر کہ ماضی میں اس سمت پیش رفت بڑی مایوس کن رہی ہے حکومت کے موجودہ اقدامات پر حتمی رائے قائم کرنے کیلئے ہمیں نتائج کا انتظار کرنا ہوگا۔

(بشیر احمد عابد۔ کویت)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوسری طاہرہ بیٹی کا خط

محترم قبلہ مدظلہ'

اپنی ایک اور بیٹی کا سلام قبول فرمایئے۔

"طاہرہ بہن" کا جو خط طلوع اسلام میں چھپا ہے اس کیلئے وہ واقعی مبارکباد کی مستحق ہیں۔ انہوں نے ہمارے بہت سے ایسے خیالات کی ترجمانی کی ہے جو ہمارے دل میں تو پیدا ہوتے تھے لیکن ہمیں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا اظہار کس طرح کیا جائے۔ انہوں نے ہمیں ان کے اظہار کا طریقہ بتایا ہے اور آپ نے اس خط کو شائع کر کے ہمارا حوصلہ بڑھایا ہے کہ کوئی مقام ایسا بھی ہے جہاں ہم "بے زبانوں" کو بھی بات کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ آپ واقعی ہمارے نہایت مشفق اور مہربان باپ ہیں۔ اپنے باپ سے رشتہ پیدائش کا ہوتا ہے۔ اس کا بھی ایک مقام ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ باپ اور اس کی اولاد میں' سوائے پیدائش کے رشتہ کے اور کوئی بات مشترک نہ ہو۔ لیکن قرآنی باپ کا رشتہ دلی رشتہ ہوتا ہے جس کی بنیاد ہی صحیح خیالات کے اشتراک پر ہوتی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کہا ہے کہ انسانوں سے اس کا رشتہ اولاد کا نہیں (لم یلد و لم یولد) تو اس سے بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ اس کا رشتہ نسبی رشتوں سے بہت زیادہ گہرا ہے۔ اسی طرح قرآن شرف میں جو کہا گیا ہے کہ نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں۔ ایسی مائیں کہ جن سے حقیقی ماؤں کی طرح نکاح نہیں ہو سکتا۔ تو اس میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریمؐ مومنین کے لئے بمنزلہ باپ ہیں اور آپؐ کی ایک حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میرے ساتھ اس کی محبت اپنے باپ اور بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر نہ ہو۔ اس سے یہ واضح ہے کہ یہ رشتہ نسبی رشتہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ حتیٰ کہ قرآن شریف نے کہا ہے کہ نبی' مومنوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہونا چاہئے (سورہ احزاب)۔ یہ اس رشتے کی گہرائی کی انتہا ہے۔ اس کی شہادت نبی کریم کے ساتھیوں نے دی۔ انہوں نے اپنے ماں باپ۔ بہن بھائیوں۔ خویش اقارب۔ سب کو چھوڑ دیا لیکن نبی کریمؐ کو نہیں چھوڑا۔ اسی سے وہ نئی برادری وجود میں آئی جس میں نبی کریمؐ سب کے قرآنی باپ تھے اور سب مومن آپس میں قرآنی بھائی۔ یہ ٹھیک ہے کہ قرآن کریم ان حقوق کو اپنے مقام پر رکھتا ہے جو قانون کی رو سے نسبی رشتہ داروں کو پہنچتے ہیں۔ اس سے سوسائٹی کا نظام قائم رہتا ہے۔ لیکن حقیقی رشتہ دین ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب دین کے رشتے اور نسبی رشتے میں ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ دین کے رشتے کو نسبی رشتے پر ترجیح دیتا ہے۔ حضرت نوحؑ اور ان کے بیٹے۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے باپ۔ حضرت لوطؑ اور ان کی بیوی کے واقعات جو قرآن شریف میں آئے ہیں وہ اسی حقیقت کے واضح کرنے کے لئے ہیں۔ (یہ باتیں ہم نے آپ ہی کی قرآنی تعلیم سے سیکھی ہیں اس لئے آپ کو یہ کچھ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن "طاہرہ" کو بہن اور آپ کو باپ کہنے سے جو جذبات دل میں پیدا ہوئے انہوں نے مجھ سے یہ کچھ بے اختیار لکھوا دیا ہے۔)

طاہرہ بہن نے مردوں کے عورتوں پر تغلب کے جس جذبہ

کہتے تو اس کے لئے شوہر اور بیوی تک محدود رہتا ہے۔ لیکن میرا خیال (بلکہ تجربہ) یہ ہے کہ یہ جذبہ میاں بیوی تک ہی محدود نہیں۔ مرد جس حیثیت میں بھی ہو وہ عورت پر غالب رہنا چاہتا ہے۔ اور اسے اس کا حق سمجھا جاتا ہے۔ آپ گھر میں بہن بھائیوں کو دیکھئے۔ چھوٹا بھائی، بڑی بہن کو مار تک بھی دے تو اسے کوئی کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ ماں باپ اس پر ہنستے ہیں۔ لیکن بہن سامنے سے گھرکی بھی دے تو جھٹ باورچی خانے سے آواز آجاتی ہے۔ "تجھے صدقے کروں۔ بھائی سے یہ کچھ کہتی ہے؟"۔ یہاں سے اس کی ابتدا ہوتی ہے اور باپ بیٹی تک پہنچ کر اس کی انتہا ہو جاتی ہے۔ میں ایک کالج میں فلسفہ پڑھاتی ہوں۔ والد صاحب سخت قسم کے قدیم مذہبی خیالات کے ہیں۔ ویسے لکھے پڑھے ہیں لیکن مذہب کے بارے میں نہایت قدامت پسند ہیں۔ ایک تو میری طبعی افتاد ہی ایسی تھی۔ اس پر تعلیم کا اثر۔ نتیجہ یہ کہ میں دین کے متعلق، اپنی طالب علمی کے زمانے سے ہی عقل و بصیرت اور دلائل و براہین سے سوچنے کی عادی ہو چکی تھی۔ اس سلسلہ میں مجھے بہت پریشانیاں اٹھانی پڑیں لیکن آپ کی قرآنی فکر نے ان سب کو حل کر دیا۔ جس کے لئے میں واقعی دل سے آپ کو دعائیں دیتی ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم پر اب میرا ایمان علیٰ وجہ البصیرت ہے اور میں بڑے سے بڑے مفکر کو بھی اس کی ابدی صداقتوں کا قائل کرا سکتی ہوں۔ باہر کی دنیا میں تو میری حالت یہ ہے لیکن گھر میں مجھے بات بات پر ابا جان سے ڈانٹ پڑتی ہے۔ ان کے قدیم معتقدات، جو نہ قرآن پر مبنی ہیں اور نہ علم و بصیرت پر، بلکہ یکسر تقلیدی ہیں، ان کے نزدیک اٹل حقیقتیں ہیں۔ وہ مجھے انہی کا پابند رکھنا چاہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں تو میں درگزر کر جاتی ہوں لیکن جب بات کسی اہم نقطہ سے متعلق ہو تو میں سمجھتی ہوں کہ ـــ اگر خاموش بنشینم گناہ است ـــ بالخصوص اس لئے کہ میں سمجھتی ہوں کہ اس سے چھوٹے بہن بھائیوں کے خیالات پر کیا اثر پڑے گا۔ لیکن اس پر مجھ سے بالکل ایسا سلوک ہوتا ہے جیسے دس سال کے بچوں سے اسکول نہ جانے پر ہوا کرتا تھا۔ وہ کئی کئی دنوں تک مجھ سے ناراض رہتے ہیں۔ اور جب تک مجھے جھنجوڑ جھنجوڑ کر رلا نہیں لیتے ان کے "جذبہ پدری" کی تسکین نہیں ہوتی۔

آپ شاید کہہ دیں گے کہ ان کا مزاج ہی ایسا ہو گا، اس لئے یہ ایک انفرادی مثال ہے۔ اس میں "مرد اور عورت" کا سوال نہیں۔ لیکن بات یہ نہیں۔ میرے ایک چھوٹے بھائی ہیں جو آج کل ففتھ ایئر میں تعلیم پا رہے ہیں۔ وہ مذہب سے متنفر ہو کر الحاد اور بے دینی کی حد تک پہنچ چکے اور کمیونزم کے آغوش میں جانے کے لئے تیار بیٹھے ہیں۔۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کچھ نتیجہ ہے خود ابا جان کی اسی قدامت پرستی اور شدت اور سختی کا ـــ وہ گھر میں علانیہ مذہب کا مذاق اڑاتا ہے۔ لیکن ابا جی ہیں کہ تنہائی میں سسکیاں بھرتے ہیں۔ روتے ہیں۔ خدا سے دعائیں مانگتے ہیں کہ وہ راہ راست پر آجائے۔ دوستوں سے اپنے غم کا اظہار کرتے ہیں لیکن کیا مجال جو بیٹے کی طرف لال آنکھوں سے بھی دیکھیں! کبھی کہیں گے تو صرف اتنا کہ بیٹا۔ خدا سے ڈرو۔ جس ماں کی گود میں تم نے پرورش پائی تھی، جس باپ کے زیر سایہ پروان چڑھے ہو وہ تو ایسے نہیں۔ تم نے یہ کچھ کہاں سے سیکھ لیا؟ میں اس کی اصلاح کر سکتی ہوں لیکن روز روز کی ڈانٹ ڈپٹ نے مجھے اس کی نظروں میں اس قدر ذلیل کر دیا ہے کہ وہ میرا بھی مذاق اڑاتا ہے۔

میں سمجھتی ہوں کہ اس تفاوت سلوک کی بنیادی وجہ تو وہی جذبہ تغلب ہے جو اس کے دل میں عورت کے خلاف بیدار رہتا ہے (خواہ عورت، بیٹی ہی کیوں نہ ہو)۔ لیکن اس کے ساتھ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ لڑکے کو کچھ کہا تو کل ہی سرکش ہو کر گھر سے بھاگ نکلے گا۔ لیکن میرے متعلق انہیں پتہ ہے کہ یہ کہیں جا ہی نہیں سکتی۔ اس کے لئے اس چھت کے علاوہ کوئی اور جائے پناہ نہیں۔ اس کا ہر مرد کو احساس ہوتا ہے کہ عورت کے لئے مرد کی چھت ناگزیر ہے۔ وہ بیٹی ہے تو اسے باپ کی چھت درکار ہے۔ بیوی ہے تو میاں

چھت۔ اور ماں ہے تو بیٹے کی چھت۔ وہ میری اس کمزوری سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔۔ نہیں کہہ سکتی کہ وہ دانستہ ایسا کرتے ہیں یا ان کے تحت الشعور میں چھپا ہوا "ایغو" ایسا کرا رہا ہے۔ نتیجہ بہرحال یکساں ہے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جب مستقبل کا سوال میرے سامنے آیا تو میں نے اس پر کافی غور کیا تھا۔ میرے سامنے زندگی کا ایک مقصد تھا۔ میں دیکھ رہی تھی کہ کالجوں کی لڑکیاں صحیح قرآنی اقدار سامنے نہ ہونے سے کس قدر بے راہ ہو رہی ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ مجھے اگر پڑھانے کا موقعہ مل جائے تو میرا مضمون کچھ ہی کیوں نہ ہو' میں ساتھ کے ساتھ بچیوں کے ذہن میں قرآنی اقدار کو جاگزیں کرنے کی کوشش کرتی جاؤں گی۔ (اللہ الحمد کہ میں اس مقصد میں بڑی حد تک کامیاب ہوں)۔ میں نے سمجھا تھا کہ یہ کچھ میں ازدواجی زندگی میں نہیں کر سکوں گی۔ پھر مجھے یہ بھی خیال تھا کہ اگر میرے شوہر میں اور مجھ میں خیالات کا اختلاف ہوا تو اس وقت مصیبت ہو جائے گی۔ اس لئے میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ لیکن اب میں سوچتی ہوں کہ خیالات کے اختلاف کی شکل میں' جو کچھ باپ کی طرف سے ہو رہا ہے' خاوند اس سے زیادہ اور کیا کرتا؟ باقی رہا یہ کہ مجھے اس وقت اس کی اجازت ہے کہ میں اپنے کام (کالج کی ملازمت) کو جاری رکھ سکوں' اور میرے خاوند شاید اس کی اجازت نہ دیتے۔ لیکن کبھی سوچتی ہوں کہ مجھے یہ اجازت بھی کہیں اس لئے تو حاصل نہیں کہ میرے خاندان کو اس سے معاشی فوائد حاصل ہیں' نہ اس لئے کہ یہ میری زندگی کا مقصد ہے۔ میرے والد مخلص انسان ہیں اس لئے ان کے متعلق میں یہ نہیں کہنا چاہتی کہ ان کی ذہنیت ایسی ہے لیکن جب کبھی وہ یہ حساب کرنے لگ جاتے ہیں کہ میری تعلیم پر کتنا خرچ آیا تھا تو میرا خیال اس طرف چلا ہی جاتا ہے۔ شاید یہ میرے فلسفہ کا اثر ہے؟

یہاں تک تو دونوں شکلیں یکساں ہیں۔ لیکن اس سے آگے ایک مقام آتا ہے جہاں میں دیکھتی ہوں کہ' ازدواجی زندگی اس سے بہتر ہوتی۔ یعنی مرد کا استبداد تو دونوں صورتوں میں یکساں ہوتا۔۔۔ اس وقت خاوند کا ہوتا' اب باپ کا ہے' لیکن اس وقت وہ بات نہ ہوتی جو اب میرے لئے ہر وقت سوہان روح ہو رہی ہے اور جو (سچ پوچھئے تو) ایک عورت کے لئے عذاب جہنم سے بھی بدتر ہے۔ میری عمر تیس سے اوپر ہو چلی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ ساری زندگی نہایت پاکیزہ گذری ہے۔ لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ میری ابھی تک سخت "نگرانی" کی جاتی ہے۔ آپ سوچئے کہ اس احساس سے ایک عورت کی عزت نفس کس طرح مجروح ہوتی ہے اور اس کی زندگی کس عذاب میں گذرتی ہے! شام کو ذرا کہیں دیر ہو جائے تو یہ سوال کہ "تم اتنی دیر کہاں رہیں" رات بھر کی نیند اچاٹ کر جانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ میں جب اس سوال پر غور کرتی ہوں تو آدھی رات کو اٹھ اٹھ کر روتی ہوں! میں کسی سے ہنس بول نہیں سکتی۔ میں اپنی مرضی کے کپڑے تک نہیں پہن سکتی۔ میں ان کی نظروں کو بھانپتی رہتی ہوں کہ وہ کس طرح میری ہر نقل و حرکت کا محاسبہ کرتی رہتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ اس اعتراف کے باوجود ہے جسے ابا جان' اکثر اپنے دوستوں کی محفل میں فخریہ کرتے رہتے ہیں کہ ایسی سعادت مند بیٹی اللہ ہر ایک کے نصیب کرے۔ تاروں کے سوا کسی آنکھ نے آج تک اس کا سر کھلا نہیں دیکھا۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ غیر شعوری طور پر یہ اعتراف دوستوں کی نظروں میں اونچا ہونے کے لئے ہے۔ بیٹی پر اعتماد کرنے کو پھر بھی جی نہیں چاہتا۔ وہ اکثر مجھے چھوڑنے کے لئے کالج تک ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ ہی واپس لاتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوستوں سے اکثر گلہ کرتے رہتے ہیں کہ اس بیٹی نے میری ساری آزادی سلب کر دی۔ اب میں نہ اپنی مرضی سے کہیں جا سکتا ہوں۔ نہ آسکتا ہوں۔ میں تو بالکل بندھ گیا۔

میں اگر کسی دن کہتی ہوں کہ ابا جان! آپ یہ تکلیف نہ کیا کریں' میں سواری لے کر آجایا کروں گی' تو انتہائی غم خواری کے عالم میں کہتے ہیں کہ بیٹی! جب تک تم میرے گھر میں ہو'

تمہاری عزت' میری عزت ہے۔ میں یہ کچھ تمہاری خاطر نہیں۔ اپنی آبرو کی خاطر کرتا ہوں۔ نہ جانوں! ان کے اس فقرے سے میرے دل کو بے ساختہ ایک ٹھیس سی کیوں لگتی ہے۔ حالانکہ جب میں حالات پر غور کرتی ہوں تو نظر آتا ہے کہ وہ بھی سچے ہیں۔ ہمارے معاشرہ میں بدخصلت عناصر کی کمی نہیں۔ بلکہ اب تو ان میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ شریف زادیوں پر فقرے اور آوازے عام معمول ہو رہا ہے (خواہ وہ برقعے میں ہی کیوں نہ ہوں۔ میں خود برقعے میں ہوتی ہوں)۔ لیکن مصیبت اس سے آگے جا کر آتی ہے۔ اگر کوئی منچلا کسی لڑکی پر ہاتھ ڈال دے تو اگرچہ اس میں اس بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی چاقو دکھا کر راستہ چلنے والے سے اس کا سائیکل چھین کر لے جائے۔ جس کا سائیکل چھن جائے اسے تو لوگ مظلوم کہیں گے لیکن بعینہٖ انہی حالات میں جس لڑکی پر کوئی ہاتھ ڈال دے' وہ معاشرے کی نظروں میں انتہائی ذلیل ہو جاتی ہے۔ اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی۔ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی۔ کوئی نہیں سوچتا کہ اس بیچاری کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟ اور اگر خدانکردہ نوبت اس مظلوم اور مجبور کی عصمت دری تک پہنچ جائے تو پھر اس کے لئے خودکشی کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس میں بھی اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔

یہیں سے ایک اور بات میرے سامنے آگئی۔ مردوں اور عورتوں کے لئے عصمت (Chastity) کا معیار بھی مختلف ہے۔ جوان لڑکا آوارہ ہو تو اس کی ماں اس کے باپ سے کہے گی کہ لڑکا آوارہ ہو رہا ہے۔ اب اس نے راتوں کو بھی باہر رہنا شروع کر دیا ہے۔ بری بری باتیں اس کے متعلق سننے میں آتی ہیں۔ اب اسے کہیں "باندھ" دینا چاہئے۔ ادھر جب اس کے رشتے کی بات کہیں ٹھہرے اور کوئی ان سے کہہ دے کہ لڑکے کی شہرت اچھی نہیں' تو لڑکی کا باپ ہنس کر کہہ دے گا کہ اس عمر میں لڑکے یہ کچھ کیا ہی کرتے ہیں۔ شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ یعنی لڑکا نہ اپنے ماں باپ کے نزدیک اور نہ ہی لڑکی کے ماں باپ کے نزدیک' قابل الزام ہے۔ اس کے برعکس' اگر خدانکردہ کسی شریف لڑکی کے متعلق اتنی سی بات بھی باہر نکل جائے کہ اس نے کسی کو خط لکھا ہے (خواہ وہ خط اپنی کسی سہیلی ہی کو کیوں نہ لکھا ہو) تو "باغیرت" ماں باپ اسے زہر دے کر مار دینے پر تیار ہو جائیں اور اس کے رشتے کے لئے کوئی نام تک نہ دھرے۔ اس سے آگے بڑھئے۔ کتنے شادی شدہ مرد ہیں جو علانیہ بدچلنی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود معاشرہ میں باعزت رہتے ہیں۔ اس کے برعکس' اگر کوئی شادی شدہ عورت خاوند سے پوچھے بغیر' ماں باپ کے ہاں بھی چلی جائے تو طلاق تک نوبت آجاتی ہے۔

میں (خدانکردہ) یہ نہیں کہنا چاہتی کہ عورتوں کو بھی ایسی آزادی کیوں نہیں دی جاتی۔ میں کہنا یہ چاہتی ہوں کہ مرد اور عورت' دونوں کے لئے یکساں طور پر باعفت رہنا ضروری ہے۔ پھر یہ کیوں ہے کہ مردوں کی عفت کا معاملہ اتنا معمولی سمجھا جاتا ہے؟ کیا یہ اسی جذبہ تغلب کا اثر نہیں؟ قرآن کریم نے اس باب میں کہیں کوئی فرق نہیں کیا۔ وہ مرد اور عورت دونوں سے یکساں طور پر عفت کا مطالبہ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے سزا بھی دونوں کی ایک ہی رکھی ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ ایک بات جب کسی عورت کے متعلق سنتے ہیں تو اسے گولی مار دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن وہی بات جب کسی مرد کے متعلق سنتے ہیں تو اسے ہنسی میں ٹال دیتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ اگر مرد اور عورت دونوں سے یکساں عفت کا مطالبہ کیا جائے' اور لغزش کی صورت میں معاشرہ دونوں سے یکساں سلوک کرے' تو ہمارے ہاں کے نوے فی صد جنسی جرائم کم ہو جائیں۔ اور پھر شریف زادیوں کو کوئی اس طرح تنگ نہ کر سکے۔

اس مقام پر ایک بات اور بھی قابل غور ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ معاشرہ میں عورت کی حفاظت کی ضرورت ہے لیکن ہمارے ہاں شادی شدہ عورت کے مقابلہ میں' ناکتخدا کو زیادہ حفاظت کا محتاج سمجھا جاتا ہے۔ یہ تو کہہ نہیں سکتی کہ

...ے کے حصے میں باپ کو اپنی عزت کا زیادہ پاس ہوتا ہے ... یہ واقعہ ہے کہ غیر شادی شدہ لڑکی کی حفاظت کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے، حالانکہ بدطینت عناصر کے سامنے کمزور ہونے کے لحاظ سے شادی شدہ اور غیر شادی شدہ لڑکی میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ یہ بھی شاید اس لئے کہ لڑکیوں کے دل میں یہ خیال راسخ کر دیا جائے کہ وہ شادی کے بعد ہی محفوظ سمجھی جا سکتی ہیں۔ شوہر کے بغیر نہیں۔

میں کہاں سے کہاں چلی گئی۔ میں کہہ رہی تھی کہ ابا جان کو اپنی آبرو کی خاطر، اتنا کچھ کرنا پڑ رہا ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ بدخصلت عناصر نے جو حالات پیدا کر رکھے ہیں ان کے پیش نظر اس کی ضرورت بھی ہے۔ اس لئے وہ جب یہ کہتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ اپنی آبرو کے لئے کرتا ہوں، تو وہ سچ کہتے ہیں۔ اور جب اس کا گلہ کرتے ہیں کہ اس سے ان کی ساری آزادی سلب ہو گئی ہے، تو بھی وہ سچے ہوتے ہیں۔ اور جب میں ان حالات پر غور کرتی ہوں تو پہروں سوچتی رہتی ہوں کہ انہیں اس مصیبت سے چھڑانے کے لئے تو بہتر ہوتا کہ میں شادی کرا لیتی۔ لیکن جب سوچتی ہوں کہ اس سے کتنا عظیم مقصد فوت ہو جاتا تو پھر خاموش بیٹھ جاتی ہوں۔

فرمایئے! اس کا کیا علاج ہے؟ لڑکیوں کو اعلیٰ تعلیم دلا کر، ان کی شادی کر دیجئے تو وہ عذاب اور نقصان جس کا درد انگیز بیان طاہرہ بہن نے اپنے خط میں کیا ہے۔ انہیں ملک اور قوم کی بہبود کے لئے زندگی وقف کرنے کے لئے چھوڑیئے تو یہ عذاب۔۔۔ اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؟

قوم کو اچھی نرسوں، اچھی لیڈی ڈاکٹروں، اچھی استانیوں، اچھی پروفیسروں کی ضرورت ہے، اور اشد ضرورت۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان نرسوں، لیڈی ڈاکٹروں، استانیوں اور پروفیسروں پر جو کچھ گذرتی ہے، قوم کو کچھ اس کا بھی خیال ہے؟

لیکن قوم تو شاید یہی سمجھتی ہے (اور قوم سے مراد مرد ہیں۔ خود لغت کی رو سے قوم میں عورت داخل ہی نہیں ہوتی۔)۔۔۔ قوم یہی سمجھتی ہے کہ عورت بنی ہی مرد کی چتا پر زندہ جلنے کے لئے ہے۔ اس لئے اگر مردوں کو اس کی ضرورت ہے کہ عورتیں بیوی بن کر رہیں، تو انہیں بیوی بن کر رہنا ہو گا اور اگر انہیں استانیوں، ڈاکٹروں، نرسوں اور پروفیسروں کی ضرورت ہے تو انہیں یہ فرائض سرانجام دینے ہوں گے۔ اس سے ان کے راستے میں جو مشکلات آتی ہیں، ان کے حل کے لئے قوم کو درد سر مول لینے کی کیا ضرورت ہے؟

یہ ہے میری بہن اس عورت کی داستان جو "معاشی طور پر آزاد" ہے اور یہ ہیں ہمارے اچھے بابا جی! آپ کی طاہرہ بیٹیوں کی وہ مشکلات جنہیں وہ پروانے کی طرح زبان پر لائے بغیر، جھیلتی رہتی اور بالآخر مرجاتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان کی ان مشکلات کا حل کوئی نہیں۔ اس مقام پر، اور تو اور، حکیم الامت تک بھی سپر انداز دکھائی دیتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ،

میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

والسلام

"آپ کی دوسری طاہرہ بیٹی"

عزیزہ بیٹی! جیتی رہو۔ خدا تمہیں اپنے مقاصد میں کامیاب کرے۔

میں، سب سے پہلے، پہلی "طاہرہ بیٹی" کا شکر گذار ہوں کہ اس نے اپنے خط سے ایسی طرح ڈال دی جس سے یہ "بنات النعش" اپنی نورانی چادریں لئے، اس طرح اپنے بھائیوں اور بہنوں سے خطاب کر رہی ہیں۔ اس کے بغیر، ہمارے لئے ان حالات و کوائف اور جذبات و احساسات سے واقف ہونا، ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔

جیسا کہ میں نے اندازہ لگایا تھا، ہمارے غلط معاشرہ کی پیدا کردہ مشکلات ان لڑکیوں کے لئے بھی یکساں ہیں جو معاشی طور پر آزاد ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ بچیاں اپنے لئے کچھ آسائشیں مہیا کر لیں لیکن اس سے ان مشکلات میں کسی حد تک آسانیاں

پیدا ہو سکیں گی' ان کا ازالہ نہیں ہو سکے گا۔ ان کا ازالہ اسی صورت میں ہو سکے گا جب ہمارا معاشرہ صحیح قرآنی خطوط پر متشکل ہو۔

میں اپنی ان بچیوں سے کہوں گا کہ تم نے اپنے سامنے زندگی کا عظیم مقصد رکھا ہے۔ یہ انسانیت پر بالعموم اور اپنی ملت پر بالخصوص تمہارا احسان ہے۔ تم ہمت نہ ہارنا اور ان مشکلات پر قابو پا کر' اپنے مقصد کے حصول میں آگے بڑھتے جانا۔ تمہارے قرآنی تصورات۔ بلند خیالات اور پاکیزہ سیرت' آنے والی نسلوں پر یقیناً اثر انداز ہو گی اور اس طرح یہ روشنی دور دور تک پھیلتی جائے گی۔ قوم کے مستقبل کی تعمیر تمہارے ہاتھوں سے ہو گی۔ وہ ہاتھ جس کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ

سیرتِ اقوام را صورت گر است

تم اس کا خیال نہ کرو کہ قوم کی طرف سے تمہارے اس خلوص و ایثار کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ اگر قوم کا احساس بیدار ہوتا تو پھر رونا کس بات کا تھا؟ یاد رکھو ! غلط معاشرہ کی اصلاح کے لئے پہل کرنے والوں (السابقون الاولون) کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے جو عورت کے مسئلہ کو عقدۂ ناکشود بتایا تھا تو وہ ہمارے موجودہ معاشرہ کی پیدا کردہ مشکلات کے پیش نظر تھا۔ قرآنی معاشرہ میں ایسی کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ جہاں تک تشکیل معاشرہ میں عورت کے حصہ اور مقام کا تعلق ہے' حضرت علامہؒ کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت تھی۔ وہ عورت کے متعلق کہتے ہیں کہ

در خطِ سیمائے او تقدیرِ ما

وہ اسے مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ

طینتِ پاکِ تو مارا رحمت است
قوتِ دین و اساسِ ملت است

(2) میں ان بچیوں کے والدین سے عرض کروں گا کہ انہوں نے ایسے بلند مقاصد کے لئے اپنی زندگی وقف کی ہے آپ کا فریضہ ہے کہ آپ نہ صرف ان کے لئے حتیٰ المقدور آسائشیں بہم پہنچائیں بلکہ اس کا خاص طور پر خیال رکھیں کہ آپ کی' یا دیگر اعزہ کی طرف سے کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جس سے کسی طرح بھی ان کے جذبات کو ٹھیس لگے۔ آپ کو اور آپ کے خاندان کو ان بلند اقبال' سعادت مند بچیوں پر فخر کرنا چاہئے اور انہیں گھر میں عزت و تکریم کا بلند ترین مقام دینا چاہئے۔ آنے والی نسلیں آپ کی اس خدمت کو یاد رکھیں گی۔

(3) اور آخر میں' معاشرہ کے ان احباب سے جن کے دل میں ملت اور اسلام کی بہبود کا احساس بیدار ہے' پرزور گذارش کروں گا کہ' اگر آپ سردست کچھ اور نہیں کر سکتے' تو کم از کم' اپنے ماحول میں ان بچیوں کو اس عزت کی نگاہ سے دیکھئے جس کی یہ مستحق ہیں اور ہر مقام پر بدطینت عناصر سے ان کی حفاظت کی کوشش کیجئے۔ یہ ہم سب کی مشترکہ بچیاں ہیں اور ان کی عزت قوم کی آبرو ہے۔

(4) میں اس "دوسری طاہرہ بیٹی" کو بھی اس کے قرآنی ذوق' بلند خیالات' مقدس جذبات اور پاکیزہ سیرت کے لئے مستحق تبریک و تہنیت سمجھتا ہوں۔ ہماری قوم اس قسم کی بیٹیوں پر جس قدر بھی فخر کرے کم ہے۔

عزیزہ بیٹی ! اگر تم کسی وقت بھی سمجھو کہ میں تمہاری کسی مشکل میں کسی کام آسکتا ہوں تو مجھے بلا تامل اطلاع دینا۔ تم نے قرآنی رشتے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس سے میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ تم مجھے اپنے والد بزرگوار سے بھی زیادہ مشفق اور غمخوار پاؤ گی۔۔۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔

ہزار دعاؤں کے ساتھ

پرویز

(ماخوذ از طلوعِ اسلام مارچ 1961ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسیح اور مہدی کب آرہے ہیں؟

(مسیح و مہدی -- ایک ریسرچ)

قرآن

○ اللہ نے کہا "اے عیسیٰ" میں یقیناً تمہیں وفات دوں گا اور تمہارے درجات بلند کروں گا" رفع کی آیت 3:55 (ترجمہ و تفسیر محمد اسد)

○ آیت 19:56-57 ملاحظہ فرمایئے "اور ہم نے اوریس" کو درجات میں بلند کیا" (ترجمہ و تفسیر محمد اسد) (عظیم جرمن اسکالر اور مفسر علامہ محمد اسد نے لکھا ہے کہ عام عقیدہ کہ عیسیٰ" جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لئے گئے' قطعی غیر قرآنی اور غلط ہے۔ شیخ مفتی محمد عبدہ' مصری کے مطابق یہ روایات ہماری حدیثوں میں مسیحیوں نے داخل کی ہیں تاکہ اسلام پہ عیسائیت کی برتری ثابت کی جاسکے)۔

○ (اے محمدؐ!) ہم نے آپؐ سے پہلے کسی شخص کو بقا نہیں بخشی 21:33-

○ محمدؐ صرف رسول ہیں۔ آپ سے پہلے کے سب رسول گزر چکے۔ اگر یہ مرجائیں یا مارے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ 3:144 (مطلب یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی مر چکے ہیں' اٹھائے نہیں گئے)۔

○ آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا۔ 5:3-

○ آپ کے رب کے کلمات مکمل ہو گئے۔ 6:116

○ محمدؐ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ 33:40

○ بے شک یہ کتاب نصیحت ہم نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ 15:9 (لہٰذا اب کسی مہدی و مسیح کی ضرورت نہیں)

○ آپؐ سے پہلے ہم نے کسی انسان کو ایسا جسم نہیں دیا کہ وہ کھانا نہ کھائیں (تو کیا عیسیٰ" کو ایسا جسم دیا کہ وہ آسمان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے رہیں؟) اور نہ وہ باقی رہنے والے تھے۔

○ مسیح ابن مریم تو صرف رسول تھے۔ ان سے پہلے کے سب رسول گزر چکے۔ 5:75

○ مسیح اور ان کی والدہ (مریم) صدیقہ دونوں (انسان تھے) کھانا کھاتے تھے۔ 5:75

دیکھو ہم لوگوں کے لئے اپنی آیات کس طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ پھر یہ دیکھو کہ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ 5:75 (کہ کھانا کھانے' بازاروں میں چلنے پھرنے والے انسانوں کو جسم کے ساتھ آسمانوں پر جا بٹھاتے ہیں)

○ کیا ان لوگوں کے لئے قرآن کافی نہیں؟ 29:51

○ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ تم خدا کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ (جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھا لینا اللہ کا قانون نہیں ہے)۔ 48:23

○ قرآن فرماتا ہے صاحبو! اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت میں تبدیلی پیدا نہ کرے۔ (سورۃ الانبیاء)

اب غور فرمایئے مہدی اور عیسیٰ دنیا میں تشریف لا کر ہماری حالت کیوں کر بدلیں گے۔ کیا یہ عقیدہ قرآن کے ارشاد کے برخلاف نہیں؟

○ قرآن بار بار فرماتا ہے کہ اللہ کائنات میں ہر جگہ موجود ہے۔ لہٰذا آسمان پر جسم کے ساتھ جا کر عیسیٰؑ کا اس کے داہنے ہاتھ پر بیٹھ جانا مسلمان کیسے مان سکتا ہے! یہ تصور تو بائبل کے خدا کا ہے کہ وہ ایک سپر مین کی صورت میں آسمان میں تخت شاہی پر بیٹھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر مورس بو کے' علامہ محمد اسد' جمال الدین افغانی' مفتی محمد عبدہ' سرسید' علامہ اقبال اور دیگر بے شمار صاحبان فکر و نظر کہتے ہیں کہ جسم کے ساتھ آسمان پہ اٹھایا جانا اللہ کو آسمان کا مکین بنا دیتا ہے۔

ترپ کا پتہ

صاحبو! قرآن کریم کے وارث ہم مسلمان ایک عجیب صورتحال سے دوچار ہیں۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ عیسائی مشنریوں نے صومالیہ' سوڈان' بوسنیا' بنگلہ دیش' بھارت' پاکستان' یورپ' امریکہ اور کینیڈا میں مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے ترپ کا کونسا پتہ Trump Card ہاتھ میں تھام رکھا ہے؟ یہی کہ عیسیٰؑ آسمانوں پر خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے ہیں اور آخری زمانے میں پھر نازل ہوں گے۔ کرسچن مشنری سیدھے سادے مسلمان سے پوچھتا ہے۔ دوستو! اب تم ہی کہو کس کا مرتبہ بلند ہے؟ مسیحؑ کا جو آسمانوں پر جی رہے ہیں یا محمدؐ کا جو خاک کی آغوش میں مدفون ہیں۔ اس مسیح کا رتبہ اونچا ہے جو پوری دنیا کے انسانوں کی اصلاح کریں گے یا اس محمدؐ کا جو صور پھونکے جانے پر جاگیں گے؟ اور دیکھیں گے کہ موسیٰؑ ان سے پہلے اٹھ کر خدا کا عرش تھامے کھڑے ہیں۔ (یہ بات ہماری حدیثوں میں یہود نے ڈالی ہے)۔

صاحبو! نادان مسلمان آسانی سے ان کے دام میں اس لئے آجاتا ہے کہ مکتب و ملا نے اسے قرآن کی طرف نگاہ کرنا سکھایا ہی نہیں۔ مسلمان قرآن و حدیث خود نہیں پڑھتا مولوی کا کہا سنتا اور مانتا ہے۔ روایات میں الجھا دیا گیا ہے اسے۔ بقول علامہ اقبالؒ ہماری روایات بڑی حد تک اسرائیلیات پر مشتمل ہیں۔ اسرائیلیات کیا ہوتی ہیں؟ یہود و نصاریٰ کی داخل کی ہوئی یا ان کی کتابوں سے مستعار لی گئی روائتیں۔

ترکِ قرآن

اب قرآن لاکھ کہتا رہے۔ اے مسلمان! غور سے سن کہ اللہ کے قانون میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ جسم کا آسمانوں پر اٹھایا جانا اللہ کا قانون نہیں ہے۔ اللہ نے کسی کو بقا نہیں بخشی۔ محمدؐ سے پہلے اور عیسیٰؑ سے پہلے کے تمام رسولؑ گزر چکے۔ عیسیٰؑ دیگر پیغمبروں کی طرح ایک پیغمبر تھے جو کھانا کھایا کرتے تھے۔ قرآن پکارتا رہے کہ دین کامل ہو چکا۔ اللہ کے آخری نبیؐ تشریف لا چکے۔ دین کے تمام ضابطے کتاب اللہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیئے گئے لہٰذا اب کسی مہدی کی' کسی نئے' پرانے نبی کی ضرورت نہیں۔ قرآن یہ کہہ دے کہ تمام پیغمبر بشر تھے اور سب پیغمبر گزر چکے' مر چکے۔ پھر یہ بھی فرما دے کہ مرے ہوئے اس دنیا میں واپس نہیں آیا کرتے اور جو جی چاہے فرماتا رہے قرآن۔ اسے معطر غلافوں میں لپیٹ کر گلاب کی پتیاں اور مور چھل کا پر اس کے مقدس اوراق کے بیچ دبا کر مسلمان نے بڑی مضبوطی سے اونچے طاقوں میں سجا رکھا ہے۔

نتیجہ یہ کہ مسلمان اسی عقیدے کے ساتھ جینا اور مرنا چاہتا ہے کہ امام مہدی بغداد کے قریب "سر امن رائی" (سامرہ) کے غار سے نکل آئیں گے۔ آتے ہی ابوبکرؓ' عمرؓ و عثمانؓ کو ایک دن رات میں ہزار بار قتل کریں گے (معاذاللہ) پھر اصلی قرآن پر امت مسلمہ کو متحد کریں گے۔ موجودہ جعلی قرآن غائب ہو جائے گا۔ اس دوران دمشق کے آس پاس ایک یہودی یا مسلمان یا بعض روایات کے تحت شیطان' دجال کے نام سے اپنے ستر ہزار فوجیوں کے ہاتھوں میں تلواریں دے کر دنیا کے کروڑہا مسلمانوں کو ملیا میٹ کر دینے کا عزم لئے کھڑا ہو گا۔ امام مہدی اپنے کروڑوں جاں نثاروں کے ساتھ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ لہٰذا عیسیٰؑ جو خدا کی دائیں جانب زندہ بیٹھے ہیں۔ فرشتوں کے سہارے دمشق کے سفید مینار پر اتر آئیں گے۔ میانہ قد۔ دو پیلی چادریں لپیٹے ہوئے۔ انگریزوں کی طرح گورے چٹے' بھیگے بھیگے گھنگریالے بالوں والے' ہاتھ میں نیزہ تھامے۔ ایٹم بموں' ہائیڈروجن بموں' راکٹوں' میزائیلوں اور

... میں تلوار اور نیزے کی جنگ ہو گی۔ دجال پگھلے' ... عیسیٰؑ اس کے سینے میں اپنا نیزہ اتار کر رہیں ... پر لگا ہوا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔ پتھر ... پکاریں گے۔ "او عبداللہ ! ارے عبدالرحمٰن ! میرے ... چھپ بیٹھا ہے"۔ مختصر یہ کہ "آناً" فاناً" یہودی قوم کا ... ہو جائے گا۔ (میدان جنگ میں صرف ستر ہزار تھے ... یہودی کہاں جائیں گے؟) اور جیسے ہی عیسیٰؑ صلیب ... اور خنزیر کو قتل کریں گے تو دنیا بھر کے عیسائی آناً" ... ہو جائیں گے۔ اس کے بعد راوی چین لکھتا ہے ... عرصے کے لئے۔ (صلیب توڑنے اور قتل خنزیر کی ... تاویلوں سے ہماری کتنی ہی کتابوں کے صفحات ... گئے ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی بولے کہ کسر ... کا مطلب ہے عیسائیت کا خاتمہ۔ اور وہ انہوں نے کر دیا ... دلچسپ بات ہے کہ 1908ء میں مرزا جی کے ٹہل جانے ... کے بعد عیسائیت نے مسلمانوں کا باجا اور زیادہ بجا دیا ...

... سین

صاحبو! اب ایک انتہائی حیرت انگیز اور افسوسناک ڈراپ ... دیکھئے۔ اس طویل کہانی کا جو ہمارے مفسرین اور مورخین ... اور یہود و نصاریٰ نے ہماری حدیثوں میں ...

دیکھ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

لیکن ہم آپ کی نگاہ کو زیادہ دیر منتظر نہیں رہنے دیں ... پانچ بلین سال پرانی بے چاری دنیا ایک ملین سال سے ... اس پر آباد۔ انسانی آبادی تقریباً دس ہزار سال سے تمدن ... ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ کا نزول۔ لاکھوں مصلحین کی ... جنگ و جدل' امن و امان کی کاوشیں' تہذیب کا زوال اور ... سیاسی' سماجی' معاشی اونچ نیچ کے جھٹکے پھر خاتم الانبیاءؐ کی ... بہت سی صدیاں گزرتی ہیں۔ انسانی تہذیب کا ارتقاء رفتہ رفتہ۔ جو کام رحمت للعالمینؐ آپ کے جاں نثار صحابہؓ اور پیرو یکایک نہ کر سکے۔ ہزاروں برس کے انتظار' انتشار' آرزوؤں اور امنگوں کو دلوں میں لئے' اربوں انسان دنیا سے گزر گئے۔ لیکن اچانک مہدی و مسیح آئے اور "آناً" فاناً" یہودیوں کو قتل کر کے عیسائیوں کو مسلمان بنا کے اور مسلمانوں کو معاف کر کے منظر نامہ ہی بدل گئے۔ دنیا جنت ارضی بن گئی۔ خوشحالی' سلامتی اور امن و امان کا گہوارہ۔ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پینے لگے۔ ظلم کے طوفان تھم گئے۔ دنیا جنت کے میووں سے لبریز ہو گئی۔ مرد فرشتوں جیسے ہو گئے اور عورتیں حوروں جیسی۔ لیکن نہ جانے کیوں ہمارے راویوں کے خدا کو جنت ارضی کا یہ خوبصورت نقشہ ذرا نہ بھایا۔ وہ آسمان میں اپنے وسیع تخت پر بیٹھا تھا۔ اس نے ہواؤں کے فرشتوں کو حکم دے ڈالا۔ اے فرشتہ بادوباراں ! مجھے دنیا میں سکون و اطمینان بھلا نہیں لگتا۔ ان دنیا والوں کی امن و آشتی اور خوشحالی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ تو ابھی اسی وقت جا' الٹے پاؤں پھر۔ پورے سیارہ زمین پر ایسی زہریلی ہوا' باد مسموم چلا دے جو دنیا والوں کے خواب و خیال میں نہ ہو۔ اور اس ہوا میں یہ خاصیت رکھیو کہ صرف میرے مومن بندے اس میں سانس لیتے ہی مرجائیں۔ پھر میں قیامت کے فرشتوں کو بھیجوں گا۔ جب سب کچھ ٹوٹ گرے گا۔ زلزلے' طوفان آئیں گے۔ پہاڑوں کو روئی کی طرح دھنک دیا جائے گا۔ میں چاہتا ہوں یہ ہیبت ناک قیامت ان لوگوں پر آئے جو میرے نہیں شیطان کے بندے ہیں۔

صاحبو ! ہمارا مفسر' محدث' مورخ' فقیہ لکھتا ہے کہ قیامت صرف کافروں پر آئے گی۔ وہ بھول گیا ہے کہ کچھ دیر پہلے اس نے لکھا تھا کہ زمین کے سب یہود فنا جائیں گے۔ عیسائی سب مسلمان ہو جائیں گے۔ مسلمانوں کو کلمے کی برکت سے کچھ نہ کہا جائے گا اور کرہ ارض پر کوئی غیر مسلم باقی نہ بچے گا اور اب وہ کہتا ہے کہ قیامت کافروں پر آئے گی۔

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہئے
خامہ انگشت بہ دنداں کہ اسے کیا لکھئے

صاحبو ! آخر میں ہمیں اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ اتنی مضحکہ خیز روایات پڑھ لینے کے باوجود آپ مہدی و مسیح کی آمد میں یقین رکھتے ہیں تو آپ کو یہ یقین مبارک ہو !

خفیہ منصوبہ

اگر آپ اظہار حق کی پاداش میں ہم پر کوئی ٹھپہ کوئی لیبل لگاتے ہیں تو بہت نوازش ! اتنا یاد رکھئے کہ اکیسویں صدی میں عیسائی مشنری' آپ اور آپ کے بچوں کے خلاف جس ہتھیار کو سب سے زیادہ تیز کئے بیٹھے ہیں وہ یہی ہے کہ مسلمان مسیحؑ کی الوہیت یعنی ان کی خدائی کے دل سے قائل ہیں لیکن زبان سے انکار کرتے ہیں۔ مشنریوں کا نیا لٹریچر جو یورپ و امریکہ اور کینیڈا سے بھی زیادہ برصغیر اور افریقہ کے لئے تیار کیا گیا ہے ہماری نگاہوں سے گزرا ہے۔ اس لٹریچر میں نوجوان یا کم علم مسلمان سے یہ سوال کئے جاتے ہیں اور بڑے پیمانے پر 21ویں صدی کے پہلے دس سالوں میں کئے جائیں گے۔

1- کیا تم مانتے ہو کہ مسیحؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے؟ مسلمان کہتا ہے جی ہاں !

2- کیا تم مانتے ہو کہ مسیحؑ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے؟ مسلمان جواب دیتا ہے جی ہاں !

3- کیا تمہیں تسلیم ہے محمدؐ مدینہ میں دفن ہیں؟ اور عیسیٰؑ آسمان پر بیٹھے ہیں؟ مسلمان کہتا ہے بے شک !

4- کیا تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ عیسیٰؑ آخری زمانے میں تشریف لا کر خدا کے دین کا بول بالا کریں گے؟ مسلمان نوجوان جواب دیتا ہے بالکل ! بالکل ! میں ان سب باتوں پر ایمان نہ رکھوں تو مسلمان کیسے ہو سکتا ہوں؟ (مولوی نے امت مسلمہ کو یہی سکھایا ہے)۔

یہ وہ لمحہ ہے صاحبو ! جب مسیحی مشنری فاتحانہ انداز سے اس نوجوان کو گلے لگا کر کہتا ہے "بھئی ! یہی سب عقیدہ تو ہمارا ہے۔ تم ہم سے ہو اور ہم تم سے ہیں"۔ پھر اگلے ہی لمحے ویزا کی پیش کش ہو جاتی ہے یا نوکری یا مال کی۔ شراب حلال ہو جاتی ہے اور گرل فرینڈ جائز ! زندگی ایک دم پرکشش ! یہ ہے اکیسویں صدی میں مسیحی مشنریوں کا طریقہ واردات۔ اس پروگرام کو آخری شکل حال ہی میں دی گئی ہے۔ البتہ اس سازش کی بنیاد ہزار برس پہلے اس وقت رکھ دی گئی تھی جب ہماری حدیثوں میں دشمنانِ اسلام نے یہ روایات داخل کر دی تھیں کہ عیسیٰؑ آسمان پر بیٹھے ہیں اور وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے۔

صاحبو ! یہ بات آخر میں پھر نوٹ کر لیجئے کہ عیسیٰؑ کی حیات اور دوبارہ آمد ایمان کے ارکان میں شامل نہیں ہے۔ مودودی صاحب کا فرمان بجا ہے کہ مسلمان عیسیٰؑ کی آمد ثانی کے عقیدے کا دارومدار صرف احادیث پر ہے اور جب سرسید احمد خان' علامہ عنایت اللہ مشرقی' علامہ اقبال' مفتی شیخ عبدہ' جمال الدین افغانی' محمد اسد' مراد ھافمین' مورس بو کے اور ان بزرگوں کا طالب علم ڈاکٹر شبیر احمد یہ کہتا ہے کہ ہمیں صرف وہ حدیثیں قبول کرنی چاہئیں جو قرآن کریم کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں تو وہ آقائے نامدارؐ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ وہ ہرگز منکرحدیث نہیں ہیں۔ شبیر احمد کو بحمد للہ ہزاروں احادیث زبانی یاد ہیں اور وہ احادیث جو قرآن کے مطابق ہیں اس کے دل و جان کا سرمایہ ہیں اور آنکھوں کا نور۔

اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ قرآن کریم کے ارشادات کو مانئے یا گھڑی ہوئی روایات کو سینے سے لگائے رکھئے اور اپنی آئندہ نسلوں کو کربچن بننے دیجئے۔ قرآن کریم کا وہ ارشاد بھی ذہن میں رکھئے "کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ کتاب اللہ کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں' نہیں ہم تو اسی روش پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے آباو اجداد کو پایا ہے"۔ (2:170)

یاجوج ماجوج

اس دوران یہ منظر بھی دیکھتے چلئے کہ ایٹم اور میزائیل کے دور میں دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر مسلمان کھڑے ہیں۔ ان کے کمانڈر دو زرد چادریں لپیٹے ہوئے ہاتھ میں نیزہ تھامے عیسیٰؑ ہیں۔ دریائے اردن کے مغربی کنارے پر دجال بھی ہے اس کا لشکر بھی اور یاجوج ماجوج بھی۔ دونوں لشکروں کے

ہاتھوں میں شمشیریں ہیں۔ یاجوج ماجوج کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہوں نے اپنی زبانوں سے چاٹ کر ذوالقرنین کی کھینچی ہوئی دیوار ختم کر دی ہے۔ نہیں ! نہیں ! تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ دیوار سے آزاد ہوتے ہی دنیا کے سارے سمندروں کا پانی پی گئے ہیں۔ زمین خشک ہو گئی ہے۔ مہدی کہتے ہیں اللہ اکبر۔ عیسیٰؑ انہیں ڈانٹتے ہیں۔ "اسکت" شٹ اپ۔ پھر ہوا میں اپنا نیزہ لہراتے ہیں۔ کروڑوں اربوں کفار چیختے ہیں "ہائے مارا" "قتلنی" اور یکایک ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ دنیا پر صرف مومن باقی رہ جاتے ہیں۔ قیامت آنے لگتی ہے لیکن عیسیٰؑ فرشتوں کو روک دیتے ہیں۔ ٹھہرو ! ابھی میں نے شادی نہیں کی ہے۔ ایک حسین مومنہ آگے بڑھ کر خود کو ھبہ (تحفتاً پیش) کرتی ہے۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ ہو جاتا ہے۔ دنیا بھر کے مومن بارات اور ولیمے میں شریک ہوتے ہیں۔ پھر عیسیٰؑ کے ہاں کئی بچے ہوتے ہیں۔ کفار تو مر ہی چکے ہیں لہٰذا عیسیٰؑ مومنوں کو یقین دلاتے ہیں۔ دیکھو ! یہ میری بیوی ہے اور یہ ہیں میرے بچے لہٰذا میں خدا نہیں ہوں۔ (پھر غور کیجئے مومنوں کو یقین دلا رہے ہیں) فرشتے قیامت کا صور لے کر پھر حاضر ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰؑ انہیں اشارے سے پھر روک دیتے ہیں ٹھہرو ! ابھی میرا مرنا باقی ہے۔ پھر وہ آرام سے ٹہلتے ہوئے ایک ہی گھنٹے میں 8 سو میل دور مدینہ پہنچ جاتے ہیں اور وہاں آنحضرتؐ کے پہلو میں لیٹ جاتے ہیں۔ فوت ہو جاتے ہیں۔ فرشتے ان کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ قبر کو مٹی دیتے ہیں۔

صاحبو ! ان ہی روایات میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ قیامت صرف کافروں پر آئے گی لیکن راویوں کا موڈ بدلتا رہتا ہے۔ بہرحال ہوتا یہ ہے کہ فرشتے صور پھونکنے پھر حاضر ہو جاتے ہیں۔ اتنا بڑا انقلاب جسے بائبل اور مسیحی "آرما گڈون" کہتے ہیں اور مسلمان معرکہ مسیح و دجال کے نام سے پکارتے ہیں۔ اختتام کو پہنچتا ہے۔ مرے ہوئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ زندہ لوگ مر جاتے ہیں پھر سب مر جاتے ہیں۔ ایک تھا راجہ ایک تھی رانی دونوں مر گئے ختم کہانی !

دجال

لیکن اہم نکتہ اور ! ہمارے مورخین اور مفسرین یاجوج ماجوج اور دجال کی اور عیسیٰؑ کی آمد کی وہ وہ تاویلیں پیش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے لطیفے مات ہو جاتے ہیں۔ یاجوج ماجوج کبھی منگول سمجھے گئے، کبھی امریکہ و روس اور کبھی جنات۔ دجال کبھی انگریز ہو گیا، کبھی یہودیوں کا سردار، کبھی کانا ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر "ک ف ر" لکھا ملا۔ کبھی وہ ریل گاڑی بن گیا۔ کبھی ریل گاڑی دجال کا گدھا بن گئی۔ عیسیٰؑ کبھی ابن مریم ہوئے، کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بطن سے خدا کی اولاد۔ جی ہاں ! مرزا جی نے فرمایا کہ خدا نے ان کو مریم بنا کر (قوت رجولیت جنسی فعل کیا جس سے مرزا جی حاملہ ہو گئے اور پھر ان سے عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ مریم غائب ہوئیں اور اب مرزا جی ہی عیسیٰؑ ابن مریم ہیں۔ (مفہوم اسلامی قربانی از قاضی یار محمد قادیانی)۔

عیسیٰؑ کبھی پرانے نبی تو کبھی امتی۔ مہدی صاحب کبھی سنی فرقے والے ہوئے کبھی شیعہ، کبھی منے تو کبھی چالیس سالہ ! وقت بچانے کی خاطر آپ ایک بار پھر دجال کا تصور فرمائیں جو 70 ہزار یہودیوں کے ساتھ دمشق میں مسجد کے باہر کھڑا ہے۔ مسجد کے اندر مہدی اور مسیح موجود ہیں اور نماز ختم ہوتے ہی دنیا کی آخری فیصلہ کن جنگ ہونے والی ہے۔ نیزے اور تلوار کی جنگ !

فیصلہ آپ کا !

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے

صاحبو ! یہود و نصاریٰ نے یہ بے سروپا روایات اس لئے گھڑیں تاکہ مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے ایک آنے والے کا منتظر رہے۔ جو ان کی قسمت سنوار دے گا۔

یہود و نصاریٰ کی بڑی اکثریت خود اس جال سے باہر نکل چکی ہے لیکن مسلمان کو اس چنگل سے چھوٹتے دیکھنا نہیں چاہتی اور اسلام کے نادان دوست ان کے ہاتھوں میں کھیلے چلے جاتے ہیں۔ اس سازش کو سمجھتے ہی نہیں۔ وہ قوم کو اسی بحث میں الجھائے رکھتے ہیں۔ کہ

ابنِ مریم مر گیا یا زندہ جاوید ہے
امتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

صاحبو! ہم نے اس موضوع پر بحث نہیں فرمائی ہے۔ حقائق آپ کے سامنے رکھے ہیں تاکہ امتِ مسلمہ سچائی جان لے اور کسی "نہ آنے والے" کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی نہ رہے۔ ہم بخوبی جانتے ہیں کہ امت مسلمہ کے پانچ فی صد افراد آج ہماری گزارشات کو تسلیم کریں گے۔ لیکن قوموں کی تقدیر یہی چند افراد بدلا کرتے ہیں اور حق غالب آکر رہتا ہے۔ اکثریت کو بھیڑ چال میں ہی عافیت نظر آتی ہے اور آبا و اجداد (اور ملا) کی پیروی میں۔ (2:170)

اگر تقلید بودے شیوۂ خوب
پیمبر ہم رہِ اجداد رفتے

(اگر اندھی پیروی کوئی اچھی بات ہوتی تو پیغمبرؐ اپنے آبا و اجداد کی راہ پہ چلتے)۔

علامہ اقبالؒ

لیجئے معزز خواتین و حضرات! ایک اہلِ فکر و نظر خاتون مسودے کے پریس جاتے جاتے فرما رہی ہیں کہ علامہ اقبالؒ کا نکتۂ نگاہ مسیح و مہدی کی آمدِ ثانی کے بارے میں مزید واضح کر دیا جائے۔ تعمیلِ ارشاد دو اشعار میں:

(1) ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی وہی آخر زمانی

(2) بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

(یعنی روایات والے مہدی و مسیح آخر الزمان "لاشئے" ہیں یعنی وہم و گمان۔ اور آسمان پر جب خدا ہی نہیں بیٹھا' وہ ہر جگہ ہے تو جسم کے ساتھ مسیحؑ کا آسمان پر بیٹھنا بے معنی بات ہے)۔

والسلام
توجہ فرمائی کا شکریہ!

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر:۔
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد اشرف ظفر

دانش وروں کے نام

(ایک دردمندانہ اپیل)

السلام علیکم! جناب محترم میں آپ کے قیمتی وقت میں مخل ہونے کی جسارت کر رہا ہوں اس وثوق کے ساتھ کہ آپ کی بلند ظرفی میرے اس عریضہ کو یقیناً پذیرائی بخشے گی۔ 1977ء میں لاہور ٹیلی ویژن کے پروگرام "دانش کدہ" کے تحت میرے ایک خط کو زیر بحث لایا گیا تھا۔ جس میں یہ سوال اٹھایا گیا تھا کہ قرآن حکیم کی روشنی میں مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی کو کیونکر ختم کیا جا سکتا ہے لیکن افسوس اس خط پر پون گھنٹہ کی گفتگو ہمارے غیر قرآنی تصوراتی ذہنوں میں کوئی معمولی سا بھی ارتعاش پیدا نہ کر سکی بلکہ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ سو راقم اس دیرینہ بیماری کو درد دل میں لئے مزید دو ایک اہم گذارشات کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر خدمت ہو رہا ہے اور وہ اس لئے کہ قدرت نے آپ کو زور قلم کے علاوہ جس دورنگھی کے ساتھ اظہار خیال کی خداداد صلاحیتوں سے نوازا ہے اس کے تحت دنیائے دانش میں آپ کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ اور مجھے امید واثق ہے کہ آپ جیسے حاذق کا لگایا ہوا ادبی نشتر مہلک سے مہلک ناسور کا علاج کرنے میں ضرور مد ثابت ہو گا۔

جناب محترم قبل اس کے کہ میں اپنی گذارشات کی طرف آؤں میں یہ عرض کرنا مناسب خیال کرتا ہوں کہ میری اس تحریر سے یہ قطعاً" مقصود نہیں کہ آپ ان حقائق سے واقف نہیں، میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ جیسے دیدہ وروں سے میں عقل و خرد کی بھیک کا متقاضی ہوں۔ لہٰذا میرا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر آپ میری ان گذارشات کو اپنی تحریروں کا موضوع بناتے ہوئے انہیں کچھ زیادہ جگہ دیں تو یقیناً نئی نسل تمدن، تصوف، شریعت، کلام (جنہیں علامہ اقبال نے "پنان عجم کے پجاری تمام" کہہ کر پکارا تھا) سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ لہٰذا مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ قوم کی سوچ کو مختلف فقہوں (جن کی بنیاد پر فرقوں کا وجود قائم ہی نہیں ہوتا بلکہ انہیں دوام حاصل ہوتا ہے) کی بجائے خالصتاً" قرآن حکیم کی طرف راغب کرتے ہوئے اس کی غیرمتبدل اقدار کی روشنی میں وقت کے تقاضوں کے پیش نظر قانون سازی کیلئے مرکوز کیا جائے۔ کیونکہ یقیناً اسی نسخہ کیمیا کے ذریعے سے ہی پوری ملت اسلامیہ کے مروجہ عجمی اسلام کو بدلا جا سکے گا۔ بقول پرویز صاحب کے کہ

فرقہ بننے کی بنیاد کیا ہے:- "قرآن کریم نے فرقہ پرستی کو اس لئے شرک کہا ہے کہ اس سے انسان کتاب اللہ کی بجائے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی اطاعت کرتا ہے۔ فرقہ پیدا ہی شخصیت پرستی کی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ شخصیتوں کو درمیان سے نکال کر براہ راست کتاب اللہ کے ساتھ متمسک ہوا جائے تو فرقوں کا وجود ختم ہو جائے گا اور اسی کو اسلامی نظام کہتے ہیں (30:31)-

جناب محترم! فرعون کی سب سے بڑی سرکشی ہی یہ تھی کہ "فرعون انتہائی سرکشی پر اتر آیا تھا۔ وہ ملک کے باشندوں (قوم) کو پارٹیوں میں تقسیم کرتا رہتا تھا۔ اور پھر ابلیسی سیاست کی رو سے کبھی ایک پارٹی کو کمزور کر دیتا کبھی دوسری کو" (28:4)-

سو آج ہمارے ہاں اس سیاست گری اور مختلف ناموں پر

فقہ کے اختلافات کے تحت ملک کے اندر قائم ہونے والے دارالعلوموں نے کیا صورت اختیار کر رکھی ہے۔ اس کی تفصیل ہم سے نہیں بلکہ مولانا فضل حق کے اس مضمون سے لگایئے جو ''قرآن کا سفر'' کے نام پر روزنامہ جنگ لاہور مورخہ 26 جنوری 1984ء کو شائع ہوا تھا۔ لکھتے ہیں کہ

مذہبی دارالعلوموں کا ماحصل:- ''بین الاقوامی سرحدوں کو نظر انداز کر کے آپ پشاور سے ترچنا پلی تک بس یا کار میں سفر کریں تو جہاں آپ کو مناظر ارضی اور آب و ہوا کی نیرنگیاں نظر آئیں گی وہاں مسلمانوں کی آبادیوں میں آپ کو دارالعلوموں کے رنگا رنگ سائن بورڈ بھی ملیں گے۔ ایک قرآن کے ہزار مکتب اور مدرسے کوئی حنفیہ' کوئی چشتیہ اور کوئی صرف قرآنیہ اور حقانیہ۔ ان مدرسوں کے بانی یقیناً نیک نیت اور مخلص لوگ گزرے ہونگے اور ان کی کاوش کا مقصد نور بصیرت کو عام کرنا ہی ہو گا۔ لیکن آدمی فانی وراثت زمانی ہے۔ بات جب وراثتوں تک پہنچی تو یہ مراکز اشاعت قرآن کے ساتھ ساتھ حصول دنیا' فروغ سیاست اور کسب رزق کے ذریعے بن گئے۔ اصل مقصد پہلے پس منظر میں گیا پھر بالکل ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا''۔

مودودی صاحب کی نظر میں فرقہ بندی کے نتائج:- اس کے بعد اسی سلسلہ میں جناب مودودی مرحوم اس فرقہ بندی کے خطرناک نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس فرقہ بندی نے مسلمانوں کو کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ کہنے کو یہ مسلمان ایک امت ہیں مگر حقیقت میں اس فرقہ بندی کی بدولت اس امت کے سینکڑوں ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ اگر آپ اپنی خیر چاہتے ہیں تو ان بتوں کو توڑیئے۔ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن کر رہیئے۔ اور ایک امت بن جایئے۔ خدا کی شریعت (قرآن) میں کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کی بنا پر اہل حدیث' حنفی' دیو بندی' شیعہ اور سنی الگ الگ امتیں بن سکیں۔ یہ امتیں جہالت کی پیدا کردہ ہیں۔ اللہ نے صرف ایک امت۔ امت مسلمہ۔ بنائی ہے''۔ (بحوالہ نوائے وقت لاہور 28 اگست 1962ء)

کسی نے کیا خوب کہا تھا کہ

ہم اپنی روئداد کیا سنائیں کچھ اس میں ہیں واقعات ایسے
اگر کوئی دوسرا سناتا ہمیں سمجھتے اسے فسانہ

علمائے کرام کے بائیس نکات:- بہرحال جناب محترم! اب ہمیں دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس فرقہ واریت کی بنا پر ان مختلف امتوں کو ہم نے (جنہیں جہالت کی پیدا کردہ کہا گیا ہے) ایک امت کی شکل دینے کی خاطر نئی نسل کے ذہنوں کی تیاری کیلئے کون سا پروگرام دیا ہے کہ جس کے تحت خالصتاً'' ایک قرآنی یا اسلامی ریاست کے وجود کے باعث ہم ایک امت کی شکل اختیار کر سکیں؟ لیکن افسوس جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ہماری تمام تر کوشش اسی عجمی اسلام کی ہی برومندی کیلئے سرگرم عمل رہی جس کا اظہار 31 علمائے کرام کی طرف سے پیش کردہ ان 22 نکات سے ہوتا ہے جو 21 تا 24 جنوری 1951ء میں اجتماعی طور پر کراچی کے ایک اہم اجلاس میں چار روز کی شب و روز کی سوچ بچار کے بعد پیش کئے گئے۔ راقم ذیل میں ان میں سے صرف چوتھی اور نویں شق پیش کرنے کی جسارت کر سکے گا۔ ملاحظہ کریں۔

شق نمبر 4۔ ''اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیا و ایما اور متعلقہ اسلامی فرقوں کیلئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے''۔

شق نمبر 9۔ جہاں تک شق نمبر 9 کا تعلق ہے وہ اس سے بھی زیادہ واضح اور افسوس ناک ہے وہ یہ کہ

''مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود و قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ انہیں اپنے پیروں کو اپنے مذہبوں کی تعلیم دینے کا حق ہو گا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذاہب کے مطابق ہونگے۔ اور ایسا انتظام کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں''

کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ

چہرے سجے ہیں تو دل ہیں بجھے بجھے
ہر شخص میں تضاد ہے دن رات کی طرح

سو جناب محترم! ان پیش کردہ شقوں کی روشنی میں دیکھا جائے تو ان سے یہ قطعی طور پر واضح ہے کہ اس تصور حیات کے تحت مسلمان کسی شکل میں بھی ایک امت نہیں بن سکتے کیونکہ جب ان کا مذہب کی بجائے دین ہی ایک نہیں ہو گا تو ذہنی مطابقت کیونکر پیدا ہو گی۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ لاریب اور تضادات سے پاک دوٹوک ایک ایسا واضح ضابطہ حیات ہے کہ جس کی پیروی کے بعد گروہ بندی نہیں رہ سکتی (2:113)۔ ان مندرجہ بالا شقوں میں کئی جگہ اپنے اپنے مذاہب۔ اپنے اپنے مذہب کے لفظوں کا استعمال بڑے تاکیدی انداز میں کیا گیا ہے لہٰذا سوال یہ ہے کہ اگر آنے والی نسل کے علاوہ ہمارے دور کا کوئی غیر مسلم ہی ہم سے یہ سوال کر بیٹھے کہ خدا تعالیٰ نے تو آپ کو ایک دین (نظام زندگی) دیا تھا اور وہ آپ کے قرآن میں محفوظ بھی ہے تو پھر یہ علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے مذہب کا پیروکار بننے کی تعلیم کا کیا مقصد ہے۔ تو جناب محترم! آپ ہی بتائیں ہمارے پاس اس مکمل ضابطہ حیات کے ہوتے ہوئے اس کا کیا جواب ہو گا؟ سوائے اس کے کہ یہ ہماری اپنی اپنی انا کا مسئلہ ہے اور کیا کہا جائے گا۔ یہی وہ آتش پیکار ہے کہ جس کی پھونک نے چمن کو خاکستر بنا دیا ہے۔ اور یہی دیرینہ بیماری ہے کہ جس کا ذکر قرآن حکیم نے بڑے واضح انداز میں صدیوں پہلے کر دیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے کہ

فرقے ختم کیسے ہونگے:- ہر نبی اس ضابطہ حیات کی رو سے وحدت پیدا کر کے چلا جاتا لیکن اس کے بعد وہ لوگ جنہیں وہ ضابطہ دیا گیا تھا باوجود ایسی واضح تعلیم کے باہمی ضد اور مخالفت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کے خیال سے پھر اختلافات شروع کر دیتے۔ لیکن ان میں سے جو لوگ اس ضابطہ کی صداقت پر یقین رکھتے انہیں خدا اپنے قانون کے مطابق اختلافات سے بچنے کی راہ دکھا دیتا۔ یہی وہ طریق ہے کہ جس سے اللہ ہر اس قوم کو جو اختلافات سے بچنا چاہتی ہے' زندگی کی تو ازن بدوش سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کر دیتا ہے۔ (اختلافات ہمیشہ مذہب میں ہوتے ہیں دین میں نہیں) اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں
فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

جناب محترم جیسا کہ آپ جانتے ہیں علامہ اقبال نے فرمایا تھا کہ

"انسان اپنے سلسلہ ارتقاء کی بلند ترین سطح پر اس وقت پہنچتا ہے کہ جب وہ خوف و حزن سے یکسر آزاد ہو"۔ اور پھر فرمایا کہ "دنیا میں ہر برائی کی جڑ خوف ہے"۔

لیکن یہ امر کس قدر قابل افسوس ہے کہ سیاست دانوں کے ان گنت پلیٹ فارموں کی سرزمین پاکستان کی مساجد میں فرقہ بندی کی سوچ پر مبنی وعظوں کے علاوہ کون سی درس گاہ ہے کہ جہاں امت واحد کے تصور کے پیش نظر دلوں کو جوڑنے والی تعلیم و تربیت کی بجائے پارٹی بازی اور گروہ بندی کے زہرآلود خنجر سے خوف و حزن کی پرورش نہ کی جا رہی ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہے پاکستان کی نوجوان نسل جسے باد نسیم کی مانند ایک سدا بہار پھول کی خوشبو بن کر یہاں پھیلنا تھا' ہماری مفاد پرستی' گروہ بندی اور توہم پرستی کے ہاتھوں پژمردہ ہو کر اپنی ہی عظمت کے لطف سے محروم ہو کر رہ گئی ہے۔

دو مہلک ترین امراض کا ذکر:- جناب محترم مجھے اس روئیداد کے بعد کشتہ سلطانی و ملائی و پیری کے سلسلہ میں جن دو خطرناک اور مہلک ترین امراض کا ذکر کرنا ہے ان پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے کیونکہ یہ وہ امراض ہیں کہ جنہیں عیار قومیں بڑی تیزی کے ساتھ ہمارے ہی ہاتھوں اسلامائزیشن کے مقدس پردوں کی آڑ میں شب و روز پھیلانے میں مصروف کار ہیں اور وہ صرف اس لئے کہ

ہو نہ جائے آشکارا، شرع پیغمبرؐ کہیں

جبکہ ان امراض کی نشان دہی علامہ اقبالؒ نے آج سے تقریباً

(65) پینسٹھ سال پیشتر اپنی مشہور طویل نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے آخری شعر میں بڑے ہی بلیغ انداز میں کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

کچھ ذکر مخلص لوگوں کا:- جناب محترم کیونکہ حق بات کبھی ضائع نہیں ہوتی اس لئے اسے کبھی آنچ بھی نہیں آتی لہٰذا میں اسی خیال کی بنا پر اس نازک ترین مسئلہ پر آپ سے کچھ کہنے کی جسارت کر رہا ہوں اس امید کے ساتھ کہ میری یہ عرض گذاشت معاشرہ میں سنگسار نہیں ہو گی۔

کمی کی اصل وجہ کیا ہوتی ہے:- سو آپ سے مجھے یہ کہنا ہے کہ "مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے" کا جہاں تک تعلق ہے تو اس سلسلہ میں تبلیغی جماعت کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بقول شخصے "کسی قوم کی یہی بدقسمتی نہیں ہوتی کہ اس میں ایسے لوگوں کا فقدان یا کمی ہوتی ہے کہ جس میں خلوص، ایثار، دیانت، جذبہ عمل اور جوش کردار ہو۔ اس کی اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں میں یہ تمام خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہوں اور وہ کسی غلط فہمی یا خود فریبی کی بنا پر انہیں ایسے کاموں میں صرف کریں کہ جن کا کوئی تعمیری نتیجہ مرتب نہ ہو"۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں 1937ء میں یہ جماعت کوئی قابل ذکر جماعت نہ تھی جبکہ 1982ء میں اس کی تعداد اخباری رپورٹوں کے مطابق نو، دس لاکھ تک جا پہنچی۔ جبکہ اب 1999ء میں اس تعداد میں مزید لاکھوں کا اضافہ ہو چکا ہے۔ اس جماعت کی تنظیم، جذبہ عمل، ایثار اور تگ و تاز پر تو کسی کو کوئی شک نہیں لیکن اگر عملی طور پر دیکھا جائے یہ لاکھوں کا اجتماع اپنے آپ کو کلمہ سیدھا کرانے والوں کے نام کے علاوہ کسی دوسرے نام سے متعارف نہیں کروا سکا۔ اور جہاں تک ان کے ہاں قرآنی حقائق کو سمجھنے اور سمجھانے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق راقم کچھ نہیں کہنا چاہتا کیونکہ ہم جو کہیں گے تو شکایت ہو گی۔

آپ حضرات اس امر کا اندازہ ان کے وعظوں سے بخوبی لگا سکتے ہیں جو تبلیغی پروگرام کے دوران جگہ بہ جگہ کئے جاتے ہیں یہ ہے وہ خاموش انقلاب جو اس قدر عظیم اجتماع کا ماحصل ہے۔

خاموش انقلاب کا ماحصل:- روزنامہ جنگ لاہور جمعہ میگزین مورخہ 13 نومبر 1986ء کی اشاعت میں اسی خاموش انقلاب کی روئیداد بیان کرتے ہوئے جناب ساجد فاروقی شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ

"ہر فرد ایک ہی دھن میں گرفتار ہو کر ادھر کا رخ کرتا ہے اور وہ دھن یہ ہے کہ اللہ کی وسیع و عریض سرزمین میں اللہ کا ہی پیغام عام کرے۔ کچھ دن دنیاوی بکھیڑوں سے دور رہ کر اس ذات حق کو یاد اور اسی کے نام پاک کی تبلیغ میں گزارے۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ور سب تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔ لہٰذا اب مسلسل تین شب و روز رائے ونڈ کی یہ سرزمین درود سلام کی آوازوں سے گونجے گی۔ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام اپنی بصیرت افروز اور دلوں میں اتر جانے والی تقریروں سے لاکھوں سامعین کے قلب و جگر کو گرمائیں گے۔ ہر طرف اللہ اور رسولؐ کا ذکر ہو گا۔ ذکر و فکر۔۔۔ کی محفلیں سجیں گی۔ اعمال حسنہ کی دعائیں کی جائیں گی اور اپنے گناہوں پر گریہ وزاری سے بارگاہ قدوسی میں درخواستیں پیش ہوں گی۔"

دعا کا قرآنی مفہوم:- کیونکہ اس اجتماع میں دعا کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس لئے اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھ لیا جائے کہ دعا کا وہ مفہوم کیا ہے جو قرآن حکیم نے از خود متعین کر رکھا ہے۔ چنانچہ قرآن کے نزدیک دعا کے معنی مانگنا نہیں بلکہ کسی کو آواز دینا ہے۔ حوالہ کے لئے دیکھئے قرآن حکیم کی آیات (28:28, 21:213, 72:18, 71:18, 6:71) وغیرہ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ دعا کے سلسلہ میں یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اس سلسلہ میں خدا کا کیا فرمان ہے۔ وہ پکارنے والے کی آواز کا جواب کس طرح دیتا ہے۔ اس کا طریق کار کیا ہے۔ اور پھر یہ کہ پکارنے والے کو کس طرح پکارنا ہو گا۔ اگر انسان ان دو چار باتوں کو قرآن حکیم کی روشنی میں سمجھ لے تو تمام

...ور پریشان خیالیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور خدا کا قرآنی ...بھی نکھر کر ہمارے سامنے آجائے گا۔

لہذا اس سلسلہ میں مختصر ترین الفاظ میں بھی اگر دیکھا جائے تو قرآن حکیم کا فرمان یہ ہے کہ

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (2:186)۔

مفہوم۔ "ان سے کہو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری مانگ پوری ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری راہ نمائی (قوانین) کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھو اور میری اطاعت کرو (میری باتوں کا جواب دو) اس طرح کامیابی کا صحیح راستہ تمہارے سامنے آجائے گا۔"

سچ تو یہ ہے کہ

کہاں کہاں نہیں سورج کی روشنی پہنچی
یہ اور بات کہ اندازۂ سحر نہ ہوا

تباہی کا اصل سبب :- یاد رہے کہ قرآن حکیم میں مومنین کی جس قدر دعائیں مذکور ہیں سب کی سب اجتماعی نوعیت کی ہیں انفرادی نہیں لہذا جو قوم بھی اپنے معاشرہ کیلئے دین خداوندی کو (کتاب مبین کی متعین کردہ اقدار کے مطابق اجتماعی نظام کی شکل میں) قائم کرنے کی خاطر اپنے معاشی' سیاسی' معاشرتی اور تمدنی زندگی کے ہر شعبہ میں تبدیلی پیدا نہیں کرے گا اس کے حالات زندگی کبھی بھی نہیں سنور سکیں گے خواہ وہ جتنی چاہیں دعائیں کیوں نہ مانگتے رہیں اور مسلمانوں کے ہاں تو صدیوں سے یہی کچھ ہو رہا ہے۔ دیکھا جائے تو دعائیں تو ہم سات سو سال کے باادب باملاحظہ ہوشیار کے دور میں بھی مانگتے رہے اور ابھی تک مانگ رہے ہیں لیکن ذلت اور رسوائی ہمیشہ ہمارا مقدر بنی رہی اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہم اپنے نظام زندگی کو دین خداوندی کی روشنی میں متشکل کرنے کے لئے تو کبھی ...ے لیکن دعاؤں کے مروجہ تصور کی خوبصورت تصویر ...بیوں کے سہارے ... یہ جم غفیر ملت اسلامیہ کیلئے شکوہ ملک و دین کی کوئی ...پیدا نہ کر سکا۔ اور اس طرح آخرکار جو نا خوب تھا بتدریج وہی خوب ہوا۔ ہماری یہی وہ روش زندگی ہے کہ جس کے متعلق قران حکیم نے فرمایا تھا۔

"میں تم کو بتلاؤں کہ دنیا میں سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں۔ وہ لوگ جن کے اعمال رائیگاں جائیں"۔

کس قدر بلند حقیقت ہے جسے قندیل آسمانی نے چند الفاظ میں اس قدر جامعیت کے ساتھ سمو کر رکھ دیا۔

خانقاہیت :- جناب محترم مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اب جہاں تک علامہ اقبالؒ کی طرف سے شروع میں پیش کردہ شعر کے دوسرے مصرعے کا تعلق ہے تو قبل اس کے کہ اس کے متعلق کچھ عرض کیا جائے ہم اقبال کے ہی الفاظ میں یہ کہہ دینا مناسب خیال کرتے ہیں کہ

یہ مسئلے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

ہمارے ہاں عرسوں کا رواج :- لہذا ہمیں اس سلسلہ میں جو کچھ عرض کرنا ہے اس سے کسی شخص یا کسی بزرگ کے عقائد اور نظریات پر تنقید کرنا مقصود نہیں بلکہ علامہ اقبال کے ہی الفاظ میں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ "تصوف سرزمین اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے" جبکہ آج علامہ اقبال کے اس پاکستان کی سرزمین پر اسی تصوف اور خانقاہیت کے پودے کی آبیاری کرتے ہوئے اس مرض کہن کو قریہ قریہ اس قدر عام کیا جا رہا ہے کہ نئی نسل کی ذہنی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں حتیٰ کہ شہر بہ شہر کوچہ بہ کوچہ اجڑی ہوئی قبروں کو مزین سے مزین ترین بناتے ہوئے عرس شریفوں کا رواج اس قدر عام سے عام تر کیا جا رہا ہے کہ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کسی کو کسی کے متعلق کیا کہا جائے اور کیفیت یہ ہے کہ

ست دن تے اٹھ میلے
میں گھر نوں جاواں کہڑے ویلے

ہم سمجھتے ہیں کہ اس سلسلہ میں محترم ... صاحب کی کتاب "تصوف کی حقیقت" جس کا تقریباً 3/4 حصہ اقبال اور تصوف سے متعلق ہے اور جس کو رئیس امروہی مرحوم نے

بحوالہ روزنامہ جنگ مورخہ 19 فروری 1982ء میں ایک فکر انگیز پر از معلومات اور دلچسپ تصنیف قرار دیا تھا اور جو اہل دانش کی لائبریریوں کی زینت بن رہی ہے۔ اگر کسی وقت قسمت نے یاوری کی اور اس کتاب کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل کر لیا گیا تو اس تیزی سے پھیلنے والے تصوف کی حقیقت کے خدوخال کو سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا اور اس کو اس قدر تن دہی سے عام کرنے کی وجہ بھی واضح ہو جائے گی۔

کسی کی تضحیک مقصود نہیں :- جناب محترم میں اپنی گزارشات کو مزید طول دینا نہیں چاہتا سوائے اس امید کے کہ آپ کی پُروقار شخصیت جس حد تک بھی بااختیار ہے' ملت کے ان الجھے ہوئے گیسوؤں کو اپنے زورِ قلم سے سنوارنے میں یقیناً ممد ثابت ہو گی۔ اور آنے والی نسلیں آپ کی عمر بھر احسان مند ہوں گی۔

میں ایک بار پھر عرض کر دوں کہ ان تصریحات سے میرا مقصد کسی شخصیت کی تضحیک کرنا یا کسی کو ابھارنا مقصود نہیں بلکہ مجھے صرف اور صرف اپنی دانست کے مطابق زوال امت کے اسباب و علل کی طرف توجہ مبذول کروانا ہے تاکہ اہل پاکستان آپ کی پختہ شعوری' بلند نگہی' دل سوزی اور روشن خیالی سے استفادہ کر سکیں اور ہم پاکستان کے خواب کی وہ حقیقی تعبیر جس کا نقشہ سرسید' علامہ اقبال اور قائداعظم کے ذہنوں میں تھا عملاً" دیکھ سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس سرزمین کا وجود انہیں اکابرین محسنین ملت کی دور اندیشی' جگر سوزی اور باہمی رفاقت کا ہی نتیجہ ہے کہ جس کے باعث ہمیں یہ امید پیدا ہوئی کہ آج نہیں تو کل یقیناً یہاں ایسی سوچ جنم لے گی کہ ہم اس پاکستان کی جغرافیائی حدود کی پاس داری کے ساتھ ساتھ اس مملکت کے حصول کے اصل مقصد کو بھی عملی شکل دینے کے قابل بھی بن جائیں گے۔ لہٰذا ضرورت صرف اس خطہ کو جہانِ نو میں تبدیل کرنے کیلئے فکر تازہ کی نمود کی ہی--- ہے اور وہ اس لئے کہ "قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں" سو!

رات کے ماتھے پہ افسردہ ستاروں کا ہجوم
صرف خورشیدِ درخشاں کے نکلنے تک ہے

لہٰذا

ان گذارشات کے آخر پر مجھے آپ سے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اگر کسی حد تک ہی سہی حکم خداوندی کے علاوہ قرآن حکیم کی تعلیم کے پیش نظر علامہ اقبالؒ کے ذیل کے چند اشعار اور اسلامی ریاست کی متعین تعریف کے سلسلہ میں قائدؒ کی تقریر کا نیچے دیا گیا ایک اقتباس T.V. سکرین کی زینت بنا دیا جائے تو ہمیں اپنی مرض کو عام سطح پر سمجھنے اور اس پر قابو پانے میں شاید کافی حد تک مدد مل سکے۔

برائے ٹی وی سکرین :-

(1) حکم خداوندی ہے

"جو لوگ حکم خداوندی کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے یہی لوگ کافر ہیں۔ فاسق ہیں۔ ظالم ہیں۔" (5:44-45, 5:47)۔

(2) "اے رسول جس نے امت میں فرقے پیدا کئے تیرا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔" (4:140, 6:60)۔

(3) حدیث نبوی۔

"جو جماعت سے الگ ہوا سیدھا جہنم میں گیا"۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ کی نگاہِ بصیرت۔ ابلیس کا پیغام اپنے شاگردوں کے نام

(4) مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

(5) یہ مسلے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

وہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں
نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
کشتہ سلطانی و ملائی و پیری
تصوف' شریعت' کلام
عجم کے پجاری تمام
و روزہ و قربانی و حج
سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے
گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

سیاست کی متعین تعریف:۔ قائداعظم کا فرمان۔

حکومت کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں صرف خدا کی ہوتی ہے۔ جس کا عملی ذریعہ قرآن حکیم احکام اور اصول ہوتے ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی سلطنت ہے نہ کسی پارلیمان کی اور نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن مجید کے اصول ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت کے الفاظ میں قرآنی اصولوں اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور اس کیلئے آپ کو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے"۔

(بحوالہ انقلاب لاہور مورخہ 8 فروری 1942ء)

قائداعظم نے اپنے اس جذبہ ایمانی کو کس لگن' دل سوزی اور جانفشانی کے ساتھ پورا کیا یہ دیکھنے کیلئے آپ کا مندرجہ ذیل اقتباس بھی حیثیت رکھتا ہے جو ہم سب کیلئے راہ منزل بھی ہے اور راہ عمل بھی۔ آپ نے فرمایا:

"میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں مروں تو یہ یقین محکم اپنے دل میں لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے خیانت اور غداری نہیں کی۔ اور مسلمانوں کی آزادی' تنظیم اور مدافعت میں اپنا کردار ادا کر دیا۔ میں آپ سے اس کی داد اور شہادت کا طلب گار نہیں ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ مرتے وقت میرا اپنا دل' میرا اپنا ایمان' میرا اپنا ضمیر گواہی دے کہ جناح تم نے واقعی مدافعت اسلام کا حق ادا کر دیا۔ جناح! تم مسلمانوں کی تنظیم' اتحاد اور حمایت کا فرض بجا لائے۔ میرا خدا یہ کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں علم اسلام کو بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے"۔

(بحوالہ روزنامہ نوائے وقت 16 دسمبر 1985ء)

جناب محترم! ہمیں افسوس ہے آج ہمارے درمیان نہ سرسید احمد خاںؒ کی ذات ہے نہ علامہ اقبالؒ کی شخصیت اور نہ ہی قائداعظمؒ جیسی مرد آہن ہستی۔ لیکن اس کے باوجود اس وقت بھی ہمارے ہاں ملت کے غم خواروں اور دوستوں کی کوئی کمی نہیں لہٰذا اگر آج بھی نوجوان نسل کی سوچ کا رخ

تمدن' تصوف' شریعت' کلام
بتان عجم کے پجاری تمام

کی طرف سے موڑ کر خالص فکر قرآنی کی طرف کر دیا جائے تو پاکستان کو آج بھی ہامان' فرعون اور قارون کی گرفت سے آزادی دلائی جا سکتی ہے۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس میں عالم انسانی کی بقا کا راز مضمر ہے۔ لہٰذا آپ حضرات سے میری پرزور التماس ہے کہ براہ کرم علامہ اقبالؒ کے پاکستان کو قندیل آسمانی سے فروزاں کرنے کی خاطر اپنے زور قلم کو ہماری راہ نمائی کیلئے مختص کر دیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی یہ محنت شاقہ آنے والے دور میں پکار پکار کر کہہ رہی ہو گی کہ

دعا دیں گے مرے بعد آنے والے میری وحشت کو
بہت کانٹے نکل آئے ہیں میرے ساتھ منزل کے

جناب محترم! کاروان انسانیت آپ جیسے محسنوں کو کبھی فراموش نہ کر سکے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خادم ملک، ناروے

جبری شادی

گذشتہ دنوں ناروے کے ٹیلی وژن نورگا اور ٹی وی ٹو نے مسلمانوں میں جبری شادی اور پاکستانیوں کے بارے خصوصی پروگرام پیش کئے جن میں ناروے کی مقیم لڑکیوں سے متعلق جبری شادی اور پاکستان میں ان سے ناروا سلوک کا ذکر تھا۔ خادم ملک صاحب نمائندہ بزم اوسلو کا ایک مضمون اس پروگرام سے متعلق "یورو ٹائمز" میں شائع ہوا ہے۔ جسے قارئین طلوع اسلام کے استفادہ کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔ مدیر

اس سے قبل کہ جبری شادی سے متعلق نارویجن میڈیا کی نشریات کے محرکات پر اظہار خیال کیا جائے ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ عیسائیت نے عورت کو کیا مقام عطا کیا۔ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں عورت کا کیا مقام تھا۔ مذہبی طور پر ہمارے معاشرے میں عورت کی حیثیت اور پھر دینِ خداوندی کی رو سے عورت کا مقام اور مرتبہ کیا ہے۔

○ غیر اسلامی تہذیبوں میں عورت کو مقام و مرتبہ دینا تو دور کی بات ہے اسے منحوس اور ذلیل سمجھا گیا۔ اسے شر اور فساد کی جڑ ثابت کیا گیا۔

○ قدیم یونان میں عورت کو شیطان کی نمائندہ اور نجاست کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا۔

○ اہلِ عرب زمانۂ جاہلیت میں لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے۔ لڑکی کا پیدا ہونا باعثِ شرم تھا۔ اسے نحوست، بدبخت سمجھا جاتا۔ یہودیوں میں کافی عرصہ تک یہ بحث ہوتی رہی کہ عورت انسان ہے بھی یا نہیں۔

○ ہندو تو عورت کی جداگانہ حیثیت ہی تسلیم نہ کرتے تھے۔ اگر شوہر مرجائے تو قابل فخر وہ عورت سمجھی جاتی تھی جو شوہر کی چتا پر زندہ جل جائے۔

○ عیسائیوں کی رہبانیت میں عورت کے متعلق بڑا گھناؤنا تصور تھا۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ عورت تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے کیونکہ آدم بیچارے کو جنت سے نکلوانے کی ذمہ دار یہی ہے۔ اسے ابلیس کا پیکر سمجھا جاتا اور دنیا میں شر کا وجود بھی۔ اس لئے عورت سخت قابلِ نفرت سمجھی جاتی تھی۔

○ عیسائیت سے یہ عقیدہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں منتقل ہو گیا یہ اسلامی تمدن کا وہ دور تھا جس میں عورتیں بازاروں میں نیلام ہوا کرتی تھیں اور ہر شخص اپنی خواہشات اور استطاعت کے مطابق جتنی چاہے خرید لے اور جب جی چاہے انہیں فروخت کر دے۔ یہ سب کچھ شریعت کی رو سے جائز تھا اور مُلّا کی شریعت اسے اب بھی جائز قرار دیتی ہے۔

سندھ، بلوچستان، سرحد میں مجموعی طور پر اور ان سے ملحق پنجاب کے دیہی علاقوں میں عورت آج بھی قبائلی روایات کی پابند ہے اسے اپنے معاملات پر کوئی اختیار نہیں۔ اسے تعلیم سے محروم رکھا جاتا ہے اس پر دین کے بھی صرف وہی احکام نافذ کئے جاتے ہیں جو اس کی آزادی اور حقوق کو سلب کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اگر بغور دیکھا جائے تو دورِ جاہلیت کی وہ قباحتیں آج بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں اور آج بھی عملی طور پر عورت کو وہ مقام و مرتبہ نہیں دیا گیا جو اسلام نے اسے عطا کیا ہے۔

شریعت کی رو سے بھی مرد کو عورتوں پر حاکم قرار دیا جاتا

یہاں تک کہ عورتوں کو مارنے کی اجازت بھی دی گئی ہے۔ ...یوں کی کم عمری میں شادی کو سنت قرار دیا جاتا ہے۔ اس ...سند میں حضرت عائشہؓ کی شادی کی مثال دی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے' عورت' گھر' گھوڑا (بخاری کتاب النکاح) اس سلسلہ میں ایک اور روایت ہے کہ:

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں دیکھا تو وہاں اکثریت فقیروں کی پائی گئی اور دوزخ میں دیکھا تو اکثریت عورتوں کی نظر آئی (بخاری کتاب الانبیاء)۔

ہمارا موجودہ اسلام انہی یا اس جیسی روایات اور فقہی احکام کا مجموعہ ہے جو خلافت راشدہ کے بعد دور ملوکیت میں تیار کیا گیا۔

عورت کا مقام قرآن کریم کی رو سے:

○ دین اس ضابطۂ حیات کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے مکمل اور غیر متبدل شکل میں اپنی آخری کتاب قرآنِ کریم میں محفوظ کر کے دیا ہے اور جسے اس کے آخری نبی ﷺ نے عملی طور پر متشکل کر کے دکھا دیا۔

○ اس میں نہ ملوکیت تھی نہ سرمایہ داری' نہ پیشوائیت تھی نہ خانقاہیت' نہ فرقہ بندی تھی نہ گروہ سازی' ساری امت ایک ... تھی' اس امت کا ایک نظام' اس نظام کا ایک مرکز' ... کے فیصلوں کی اطاعت تمام افراد کا فریضہ۔ اسی دین کی

... نے قرآن کریم میں ان الفاظ کیساتھ لَقَدْ كَرَّمْنَا ... ہم نے تمام انسانوں کو یکساں واجب ... گیا ہے۔
... تفریق کرنے والوں کو خبردار کر دیا گیا کہ سبھی ... تکریم ہیں اور عورت بھی ایک انسان ہے۔
... کی رو سے' افضلیت حسنِ سیرت و کردار اور اعمال ... نہ کہ پیدائش کی رو سے اور اس اصل الاصول ... عورتیں دونوں برابر کے شریک ہیں۔

قرآن کریم نے

○ نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا ہے جو فریقین کی مرضی سے طے پاتا ہے (4:21)۔

دنیا کے ہر قانون میں معاہدہ کے لئے بالغ ہونا شرط ہے اور قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ اس نے بلوغت کو نکاح سے تعبیر کیا ہے یعنی بلوغت اسے کہتے ہیں جب لڑکا یا لڑکی نکاح کی عمر کو پہنچ جائے۔ سورۃ النساء میں ہے کہ:

○ جب کوئی بچے یتیم رہ جائیں تو تم ان کے اموال و جائیداد کی حفاظت کرو اور ان کی دیکھ بھال کرتے رہو۔

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (4:6)۔ یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر تک پہنچ جائیں اس وقت ان کے اموال و جائیداد ان کے سپرد کر دو۔ اس طرح یہ حقیقت ہمارے سامنے آگئی کہ قرآنِ کریم کی رو سے نکاح کی عمر بلوغت کی عمر ہے۔ بلوغت سے پہلے نکاح نہیں ہو سکتا۔

سورۃ النساء کی آیت 3 میں ہے کہ:

○ مرد اس عورت سے شادی کرے جو اسے پسند ہے۔

اور آیت 19 میں ہے کہ:

○ یہ قطعاً" جائز نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی مالک بن جاؤ۔

ان احکام سے ثابت ہوتا ہے کہ بلوغت سے قبل نہ لڑکے کا نکاح' نکاح ہے اور نہ لڑکی کا عقد' عقد۔ اور نہ ہی لڑکی لڑکے کی مرضی اور رضامندی کے بغیر شادی۔ اس لئے اسلام میں جبری شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ دین سے مذاق (**تلاعب بالدین**) ہے اور دنیا اور آخرت میں رسوائی کا موجب۔

نارویجن میڈیا نے جبری شادی اور عورت کیساتھ ہونے والی ناانصافی اور زیادتیوں کو موضوعِ سخن بنا کر اس سلسلہ میں ایک تصویر ہمارے سامنے پیش کی تو پھر ہماری آنکھیں کھلیں اور ان حالات نے ہمیں اس مسئلہ پر سوچ بچار پر مجبور کیا۔ پھر کم و بیش تمام پاکستانی تنظیموں نے اس پر غور و فکر شروع کیا اور اس کا نتیجہ کچھ یوں ہے:

○ سبھی تنظیموں نے ایسے حالات و واقعات سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

○ میڈیا کو موردِ الزام ٹھہرایا کہ میڈیا غیر ملکیوں بالخصوص پاکستانی مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے غلط پروپیگنڈہ کر رہا ہے۔

○ پاکستان اتنا بڑا ملک ہے آبادی کے لحاظ سے' ان واقعات کا تناسب نہ ہونے کے برابر ہے۔

○ ہم اور ہماری تنظیم جبری شادی کی مذمت کرتی ہے اور اسلام میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

○ انفرادی سوچ بھی کچھ اسی قسم کی تھی۔

Norge ٹی وی کی نشریات:

بی بی سی کا تیار کردہ ایک پروگرام چند روز قبل ٹی وی نورگے سے نارویجن تبصرے کیساتھ نشر کیا گیا۔ اس پروگرام میں علاوہ دوسری باتوں کے ایک چیز خاص طور پر غور و فکر کی متقاضی تھی' وہ یہ کہ تمام مردوں نے:

عورتوں کو زدوکوب کرنے' انہیں گھروں میں بند رکھنے' مارنے پیٹنے حتیٰ کہ قتل کرنے کے جواز میں اسلام کو پیش کیا اور کہا کہ ہم یہ سب کچھ مسلمان کی حیثیت سے کر رہے ہیں۔

ایک باپ بیٹا جو قتل کے جرم میں جیل میں تھے ان کے چہروں پر نہ تو کسی قسم کی پریشانی تھی نہ پشیمانی نہ افسوس نہ ملال۔ قتل جیسے بھیانک جرم پر اس بے حسی کا عالم' عرب کے اس جاہل اور گنوار باپ کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے جو معاشرے کی ناروا پابندیوں کے ہاتھوں مجبور اپنی اس بچی کو زندہ درگور تو کردیتا تھا لیکن اپنے اس فعل پر شرمندہ اور نادم ضرور تھا۔ مقتولہ کا جرم یہ تھا کہ اس نے اپنی مرضی سے شادی کی تھی اس کا قاتل بھائی یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے بہن کو قتل کر کے ایک اچھا کام کیا ہے لیکن اس کی بہن نے اچھا کام نہیں کیا۔ کیا عزت اور غیرت کے یہ معیار ہمیں قرآن کریم نے عطا کئے ہیں؟ کیا ایسے ہی جرم کے لئے لڑکے کو بھی معاشرہ وہی سزا دیتا ہے؟

لادیں ہو تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

دوسری جانب ظلم و ستم برداشت کرنے والی' مارپیٹ کا شکار مظلوم عورتوں کے منہ میں یہی الفاظ تھے کہ:

یہ مرد جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس میں اسلام کا کوئی عمل دخل نہیں یہ ان مردوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں جنہیں وہ اپنی مرضی سے عورتوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ٹیلی ویژن نشریات کا مقصد ان مسائل کا حل یا ان مظلوم عورتوں کی مدد کرنا کم اور پاکستانیوں کو بدنام کرنا زیادہ تھا۔ ٹی وی ٹو کا اصل مقصد پروپیگنڈہ کی بنا پر ناظرین کی تعداد بڑھانا' اسلام اور پاکستانیوں کے خلاف نفرت پھیلانا' نوجوانوں کو اپنے مذہب اور کلچر سے بیزار کرنا ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک زندہ مثال یہ بھی ہے کہ ٹی وی ٹو کی نشریات کے دوسرے دن ایک ایسا پروگرام پیش کیا گیا جس کا جبری شادی سے بالکل کوئی تعلق نہ تھا۔

ٹیلی ویژن کا جو بھی مقصد ہو اس پروگرام کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ اس پروگرام کے بعد ایک غیر سرکاری اطلاع کے مطابق ایک سو سے زائد لڑکیوں نے Krisesenter میں فون کئے۔ لیکن یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ مسائل ہمارے معاشرے میں موجود ہیں' صرف ہم نے ہی آنکھیں بند کر لی ہیں۔ مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ نے برسوں پہلے ان غیر قرآنی تصورات کی نشاندہی کی ہے لیکن کسی نے کبھی ان نکات پر غور و فکر کی کوشش نہیں کی۔

ٹی وی نشریات میں ظالموں اور مظلوموں کے جو بیان تھے یہ ان کے دل کی آواز تھی اور ان کے بیانات پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کسی دباؤ کے تحت اس قسم کے بیانات دے رہے ہیں۔

ہمارے ساتھ اس معاشرے میں کیا ہونے والا ہے؟ اس سلسلہ میں کسی غور و تدبر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ابدی قوانین موجود ہیں جن کا اطلاق ہماری حالت

مطابق ہم پر از خود لاگو ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جو کچھ بھی مجبور اور محکوم قوموں کے ساتھ ہوتا آیا ہے وہی ہمارے ساتھ ہو گا۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ اب پہلے سے زیادہ جدید طریقے ایجاد ہو گئے ہیں اب ظلم و ستم کی ضرب اور بھی کاری ہو گی۔

اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟

علم تجزیہ نفس کے ماہرین کا کہنا ہے کہ بچے نے اپنی مستقبل کی زندگی میں جو کچھ بننا ہوتا ہے وہ بنیادی طور پر' اپنی عمر کے ابتدائی دو تین سال میں بن چکتا ہے۔ ڈاکٹر جنگ (Jung) کا کہنا ہے کہ بچے کے کریکٹر کی بنیادیں اس عمر میں استوار ہو چکتی ہیں جب وہ ہنوز بولنا بھی نہیں سیکھتا۔ اس عمر میں وہ نہایت خاموشی سے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس ماحول کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے جس میں وہ پرورش پاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی زندگی کی عمارت انہی بنیادوں پر تعمیر ہوتی ہے۔ لہٰذا بچے کی زندگی کے بناؤ اور بگاڑ میں بیشتر انحصار اس کے ماحول پر ہوتا ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ یہ ماحول تربیت پاتا ہے میاں اور بیوی کے باہمی تعلقات سے۔

مندرجہ بالا تحقیق کے پیش نظر بچے کی تربیت اور پرورش کس قدر کٹھن اور دشوار مرحلہ ہے' وہ عمر جس میں بچے کو بالکل معصوم اور ناسمجھ ہونے کی بنا پر کوئی خاص توجہ نہیں دیتے اس وقت وہ کیا کچھ سیکھ رہا ہوتا ہے۔ اس لئے بچے کی پرورش اور تربیت کے لئے گھر کے ماحول کا بہتر اور خوشگوار ہونا ضروری ہے اور گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے ضروری ہے کہ

- ○ مرد اور عورت کا باہمی تعلق رفاقت ہے اور رفاقت میں ایک کی حکومت اور دوسرے کی فرمانبرداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دونوں ایک دوسرے کے رفیق (زوج) ہوتے ہیں اور قانون خداوندی کی اطاعت کرنے والے۔
- ○ اسی رفاقت کی بدولت میاں بیوی آپس میں انس و محبت سے رہیں۔ گھر میں امن و سکون ہو۔
- ○ والدین کا تعلق بچوں سے ایسا دوستانہ ہو کہ بچے اپنے دل کی بات کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کریں۔
- ○ گھر کا خوش گوار ماحول خود بخود بچے کی ذات پر اچھے اثرات مرتب کرے گا۔
- ○ لڑکے اور لڑکیوں میں فرق نہ کیا جائے ایک پر بے جا پیار اور دوسرے پر بے جا پابندیاں عائد نہ کی جائیں۔
- ○ بچوں پر اعتماد کرنا چاہئے۔ بلاوجہ شک و شبہ نہ کیا جائے۔
- ○ والدین کو زیادہ سے زیادہ وقت بچوں کیساتھ گزارنا چاہئے۔
- ○ شادی بیاہ کے معاملات میں جبر نہ کیا جائے اس لئے کہ ایسا نہ اللہ کا حکم ہے نہ رسول ﷺ کا۔

اس مسئلہ بلکہ تمام مسائل کا اصل علاج اور درست حل ایک ہی ہے۔ اپنی اور بچوں کی قرآن کے مطابق تعلیم و تربیت پھر اس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔

اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ وَ يُطَهِّرَكُمۡ تَطۡهِيۡرًا (33:33)-

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے قلب و نظر کی آلودگی کو دور کر کے تمہاری سیرت کو پاکیزہ بنا دے۔

جنسیات کے سلسلہ میں دین کی بنیادی غایت تحفظِ عصمت ہے اور یہ تمام احکام اسی (عصمت) کے پاسبان ہیں۔ جنسیات کی تطہیر نہ تو ڈنڈے سے ہو سکتی ہے اور نہ ہی قوانین کو میکانکی طور پر نافذ کرنے سے۔ یہ گہرا نفسیاتی تقاضا ہے جسے دل سے ابھرنے والے خیالات کی تطہیر ہی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔

قرآن' اپنی تعلیم و تربیت سے نوجوانوں (لڑکے اور لڑکیوں) کے قلب و نگاہ میں ایسی پاکیزگی پیدا کرتا ہے کہ ہر نوجوان لڑکا (اپنی بیوی کے سوا) ہر لڑکی اور عورت کو اپنی بہن سمجھتا ہے۔

لہٰذا اگر مناسب تعلیم و تربیت سے' قلب و نظر کی تطہیر ہو جائے تو یہ سارے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو دنیا کی کوئی طاقت یا کوئی قانون یا کوئی تدبیر اس کا حل پیش نہیں کر سکتی۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نا محکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

معاشرے میں جو سماجی اور تمدنی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اس کی پشت پر سیاسی' معاشی اور فنی میدانوں میں وقوع پذیر ہونے والی حقیقی تبدیلیاں ہوتی ہیں' زندہ اور باشعور قومیں اپنے عقائد اور نصب العین کی روشنی میں ان تبدیلیوں کا رخ متعین کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ اپنے عوام کی تربیت کرتی ہیں' جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کا تمدن اور سماج جس بھی تبدیلی سے آشنا ہوتا ہے' اس کا رشتہ قوم کے عقائد اور اقدار کے ساتھ مضبوطی سے بندھا رہتا ہے۔ مغرب میں سیکولر اقدار کے تحفظ کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر تجزیے' مطالعے اور منصوبہ بندی کا بھرپور اہتمام موجود ہے۔

ہمارا اصل المیہ یہ ہے کہ ہم سیاسی سطح پر آزادی حاصل کرنے کے باوجود عقائد اور اقدار کے حوالے سے ایک قوم نہیں بن سکے۔ اس لیے ہمارے ہاں ایسی منصوبہ بندی' راہنمائی اور عوامی تربیت کے پروگرام کا فقدان ہے' جو سماجی اور تمدنی تبدیلیوں کا رخ متعین کرنے میں ایک بنیادی اور لازمی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارے علمائے دین اپنی ان بنیادی کمزوریوں کے باعث ان تبدیلیوں کی راہ متعین کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے سماج میں گھر کے اندر اور گھر کے باہر عورت کے کردار میں ایک تغیر اور تبدیلی مسلسل رونما ہو رہی ہے۔ لیکن یہ تبدیلی قومی سطح پر یا کسی منصوبہ بندی کے نتیجہ میں نہیں ہو رہی لہٰذا اس کی کوئی سمت اور رخ متعین نہیں۔

ایک نئے اسلامی تمدن کی تعمیر عملی تبدیلیوں کا تقاضہ کرتی ہے۔ ان کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ' وہ فقہی احکامات اور مذہبی تصورات کا وہ تانا بانا ہے جو خلافت راشدہ کے بعد چودہ سو سالہ دور ملوکیت میں تشکیل پذیر ہوا۔ اس کا ایک حصہ تمدنی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ناقابل عمل ہو چکا ہے اور جس حصے کو ہم دین سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے ہیں وہ بھی ایک جدید اسلامی معاشرے کی تعمیر کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں کھڑی کرنے کا باعث ہیں۔

درحقیقت سیکولرازم کے فکری اور تمدنی اثرات کا راستہ روکنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ مذہب کی نہیں بلکہ حقیقی اسلام (دین) کی تعلیم کو معاشرے کے تمام طبقوں میں بروئے کار لانے کے لئے مثبت اقدامات کئے جائیں۔ مغرب کے خلاف تقریریں کرنے' احتجاج کرنے اور کتابیں لکھنے سے کوئی حقیقی تبدیلی رونما نہیں ہو سکتی۔

(بشکریہ یورو ٹائمز)

جو شر پیدا کر کے غالب آیا' وہ غالب نہیں مغلوب ہے۔
جس نے ناجائز طریق سے کامیابی حاصل کی' وہ کامیاب نہیں' ناکام ہے۔
(حضرت عمر فاروقؓ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صف جلیل

عائلی قوانین

روزنامہ "خبریں" 25 جنوری کی اشاعت میں "روز اول سے تنہا پاکستان!" کے عنوان سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک مضمون نظر سے گزرا جس میں دیگر موضوعات کے علاوہ انہوں نے عائلی قوانین کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"عائلی قوانین پر اب تک ایک مہر لگی ہوئی تھی۔ ایک فوجی آمر نے بالکل غلط عائلی قوانین نافذ کیے جو کہ ایک منکر حدیث کے بنائے ہوئے تھے۔ جنرل ضیاء الحق (جو شاید فوجی آمر نہیں تھے۔ راقم) بھی اسلام اسلام کرتے ہوئے گیارہ برس تک ان قوانین کو تحفظ دیتے ہوئے چلے گئے۔ اسی پر میں نے ان کی شوریٰ سے استعفیٰ دیا تھا کہ اگر آپ ان عائلی قوانین کے بارے میں بھی فیڈرل شریعت کورٹ کا ہاتھ کھولنے کے لئے تیار نہیں تو میرا اور آپ کا کوئی ساتھ نہیں۔ اللہ کا شکر ہے فیڈرل شریعت کورٹ نے اب اس معاملے میں بھی فیصلہ دے دیا ہے اور وہ مہر ٹوٹ گئی ہے۔ کوئی کمی بیشی ہو گی تو وہ آہستہ آہستہ پوری ہو جائے گی لیکن اس معاملے میں بھی بہترین شکل یہ ہے کہ جس طرح پاکستان میں غیر مسلموں کو اجازت ہے کہ ان کے جو Family laws ہیں' وہ اپنے شادی' بیاہ اور طلاق کے معاملات ان کے مطابق طے کر سکتے ہیں ایسے ہی پاکستان میں آباد تمام مسلمان چاہے ان کی کوئی فقہ ہو' کوئی مکتب فکر ہو' انہیں ان معاملات میں کھلی آزادی ہونی چاہئے کیونکہ کوئی فقہ ختم نہیں ہو سکتی۔ انہیں اجازت دیجئے کہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق شادی' بیاہ' نکاح اور طلاق کے معاملات طے کریں۔ جہاں تک نکاح کی رجسٹریشن کا معاملہ ہے اس میں فریقین طے کر لیں کہ کس کی فقہ کے مطابق معاملات طے ہوں گے۔ فرض کیجئے کہ لڑکا حنفی ہے اور لڑکی اہل حدیث ہے۔ پہلے ہی قدم پر طے کر لیا جائے کہ آئندہ کون سی فقہ کے مطابق معاملات چلیں گے۔ بہرحال عائلی قوانین کے ضمن میں حالیہ عدالتی فیصلہ اچھی خبر ہے۔"

عائلی قوانین منظور ہونے کے فوراً بعد سے ہمارے مذہبی رہنما ان کی مخالفت میں صف آراء ہو گئے تھے۔ عائلی قوانین کی مخالفت کی وجہ ایک ہی تھی کہ ان میں فقہ کو معیار بنانے کی بجائے قرآن کریم کو معیار بنایا گیا تھا۔ اب جن حضرات کی دال روٹی ہی فقہی بنیادوں پر قائم مساجد' مدارس اور دارالعلوموں پر چلتی ہو' وہ بھلا کیوں برداشت کریں گے کہ فقہ کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ان قوانین کے خلاف کبھی قرآن کریم سے کوئی دلیل نہیں لائی گئی' جس سے یہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن کریم اور فقہ دو متضاد معیار ہیں لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہبی لیڈروں کا ووٹ فقہ کے حق میں ہے۔

ڈاکٹر اسرار صاحب کے نظریے کے مطابق صرف مسلمان ہونا کافی نہیں بلکہ کسی نہ کسی فقہ سے منسلک ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تو قرآن کریم پر عمل کرتا ہوں اور کسی فقہ کا اتباع لازمی نہیں سمجھتا تو کیا اسے مسلمان تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جائے گا؟۔ نکاح کے وقت یہ طے کرنے سے کہ کونسی فقہ کے مطابق معاملات چلیں گے' عملاً یہ نتیجہ نکلے گا کہ حنفی کی شادی صرف حنفی سے ہی ہو سکے گی اور

اہل حدیث کی اہل حدیث سے۔ یہ تو ناممکن ہو گا کہ کوئی حنفی لڑکا اہل حدیث لڑکی سے شادی کرے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک بریلوی' اہل حدیث کی مسجد میں نماز پڑھنا صحیح نہیں سمجھتا۔ اگر فقہوں میں کوئی اختلافی بات نہ ہوتی تو علیحدہ مساجد کی ضرورت تھی نہ نکاح' طلاق وغیرہ کے لئے علیحدہ طریقہ کار کی۔ ایک طرف فرقہ بندی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی باتیں کی جاتی ہیں دوسری طرف رواداری کا سبق دیا جاتا ہے۔ کوئی فرقہ بنتا ہی اس لئے ہے کہ وہ دوسروں کو غلط سمجھتا ہے اور خود کو صحیح۔

اگر ملک کے معاملات فقہ کے تابع کرنے کا سلسلہ جاری رہا تو کچھ بعید نہیں کہ پاکستان میں حنفی' دیو بندی' اہلحدیث اور شیعہ عدالتیں اور اسمبلیاں وجود میں آجائیں۔ نکاح کا مسئلہ تو الحمدللہ ڈاکٹر اسرار صاحب نے حل کر دیا ہے۔ ایک اور مسئلہ بھی امید ہے وہ اسی طرح حل کر دیں گے۔ فرض کیا کہ فقہ جعفریہ سے تعلق رکھنے والا چور ایک سنی کے گھر میں چوری کرتے ہوئے پکڑا جاتا ہے۔ سنی کا اصرار ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے اور چور مصر ہے کہ صرف انگلیاں کٹ سکتی ہیں۔ چونکہ اپنے اپنے فقہ پر عمل کرنے کی آزادی ہے اس لئے اس کا حل ڈاکٹر صاحب کے نظریے کے مطابق یہ ہو گا کہ چوری کرنے سے پہلے معلوم کر لیا جائے کہ جس گھر میں چوری کرنی ہے وہ کس فقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ یا پھر انسانوں کی شریعت نے ایک اور حل بھی بتایا ہے اور وہ یہ کہ قرعہ اندازی کر لی جائے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کریم کا نام لینے والا منکر فقہ اور منکر حدیث کہلائے اور اس پر کفر کا فتویٰ لگانے کی باتیں ہوں' لیکن فرقہ پرستی (جسے اللہ تعالیٰ نے شرک قرار دیا ہے) عین اسلام قرار پا جائے' جس پر عمل کرنے سے یہ توقع کی جا رہی ہے کہ ملک امن اور سلامتی کا گہوارا بن جائے گا۔ ایک فقہ کے لوگ مخالف فقہ کے لوگوں سے محبت اور اخوت کا رشتہ قائم کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل ہی اس لئے کیا تھا کہ لوگوں کے درمیان اختلافات مٹ جائیں' مومنین کو بھائی بھائی قرار دیا تھا' اسے چھوڑ کر اختلافات کبھی بھی مٹ نہ سکیں گے اور نہ ہی ملک میں امن قائم ہو گا۔ نتائج اس کی گواہی دیتے رہیں گے۔

سانحہ ارتحال

طلوع اسلام کے دیرینہ قاری' فکر قرآنی کے شیدائی محترم شیخ عطا میر 27 جنوری 2000ء کو مانٹریال میں انتقال فرما گئے۔ ادارہ مرحوم کے فرزند ارجمند محمد منیر شیخ و دیگر اعزہ و اقربا کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام رفیع سے نوازے۔

(ادارہ طلوع اسلام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلیم بھائیوں کے نام

"طلوع اسلام" کی مارچ 2000ء کی اشاعت میں 1961ء کا تحریر کردہ ایک "طاہرہ بیٹی" کا خط شامل اشاعت کیا گیا تھا' جس سے متاثر ہو کر ہماری ایک "طاہرہ بہن" نے اپنے سلیم بھائیوں کے نام مکتوب ارسال کیا ہے' جس میں بہت سے سوالات پوچھے گئے ہیں۔ کیا کوئی سلیم اپنی "طاہرہ بہن" کے اس مکتوب کا جواب دینے کی کوشش کرے گا؟ (ادارہ طلوع اسلام)

ہمارے اچھے سلیم بھائیو!

اب چونکہ ہمارے بابا جی زندہ نہیں رہے اس لئے میں آپکو مخاطب کر رہی ہوں۔ والد کے بعد بیٹیوں کی ذمہ داری بھائیوں پر آن پڑتی ہے۔ ہمارے بابا جی اپنی تمام تر ذمہ داریاں آپ کے حوالے کر چکے ہیں۔ اس لئے یقیناً اپنی طاہرہ بہنوں کے حقوق کا خیال رکھنا بھی آپ کے ذمہ ہو گا۔ بابا جی کی جگہ تو کوئی نہیں لے سکتا۔ لیکن یقین ہے کہ ہمارے بھائی ہمیں کسی قسم کی کمی محسوس نہیں ہونے دیں گے۔

مارچ 2000ء کے طلوع اسلام کے جریدے میں "ایک طاہرہ بیٹی کا خط" پڑھا۔ خط چونکہ 1961ء میں لکھا گیا ہے۔ اس لئے دعا ہے خدا میرے بابا جی کی "ان طاہرہ بیٹی" کو حیات رکھے۔ وہ اب میری ماں کی عمر کی ہو چکی ہوں گی۔ لیکن اس وقت ان کی عمر کے اعتبار سے ان کی کہی ہوئی باتیں کہیں زیادہ عظیم ہیں۔ اپنے خیالات و مشاہدات کو یوں تسلسل اور ربط کے ساتھ صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا بلاشبہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ میں خود کو اس لائق نہیں سمجھتی کہ ان کی تعریف میں کچھ لکھوں۔ کیونکہ بابا جی نے خود انہیں مبارکباد دی ہے۔

میں شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں ہوں۔ بی۔ اے کی متعلمہ ہوں۔ میری بہن نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ حرف بہ حرف صحیح ہے۔ ہر "طاہرہ" کی یہی کہانی ہے جسے دہرانا بے سود ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کوئی خوش قسمت بہن ہو جسے اچھا ماحول میسر ہو۔

میری بہن نے 1961ء میں یہ مسائل پیش کئے۔ شاید وہ سمجھتی ہوں گی کہ انہیں طلوع اسلام کے ذریعے ان کا حل مل جائے گا۔ کیونکہ یہی ایک تحریک ہے جسے ہم سب فکر قرآنی سے موسوم کرتے ہیں اور یہ ہمارا ایمان ہے کہ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ہر مسئلے کا حل اس میں ہے لیکن اب جبکہ صدی بدل گئی ہے یہ مسائل جوں کے توں ہیں۔ کیوں؟ بابا جی نے ان کا حل بتایا تھا لیکن اب تک اس پر عمل نہیں ہوا آخر کیوں؟

میری بہن خوش قسمت تھیں اپنے بابا جی سے پوچھ تو سکیں یہ ان مسائل سے دوچار ہیں لیکن ہمارے بابا جی زندہ نہ رہے کہ ان سے دریافت کر سکیں۔ کسی "اپنے" سے اپنا غم کہہ کر جی کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ ماں باپ کے سوا کوئی زیادہ قریب نہیں ہوتا۔ ماں تو وہی جواب دیتی ہے جو محترمہ طاہرہ بہن نے اپنے خط میں رقم کیا ہے۔ اور رہے بابا جی تو وہ اب اس دنیا میں موجود نہیں۔ یقیناً میری بہن کو اپنا دکھڑا بابا جی کے سامنے بیان کر کے اس وقت بہت راحت ملی ہو گی۔

بابا جی نے ہر مسئلے کا حل تعلیم بتایا ہے۔ لیکن انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ نظام تعلیم مناسب و درست نہیں۔ ہر کوئی جانتا ہے اس تعلیم کا کوئی مقصد نہیں جو آج کل رائج ہے۔

آج کل ہر کوئی تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ تعلیم یافتہ لڑکی اس کی بیوی بن جائے۔ تو وہ اس

کی تعلیم کو "دوچار الفاظ سیکھ لینے کے مترادف" کہہ کر ہمیشہ اسے نیچا دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔

میں بھی وہی باتیں لے بیٹھی جس کا رونا میری طاہرہ بہن 1961ء میں رو چکی ہیں۔ 39 برس بیت چکے مگر ان مسائل کا حل اب تک نہیں مل سکا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حل تو ہے لیکن اس پر عمل کوئی نہ کر سکا۔

محترمہ طاہرہ بہن نے اپنے بابا جی سے پوچھ لیا۔ ہم کس سے پوچھیں؟ حل تو بابا جی نے بتا دیا۔ لیکن اس پر عمل درآمد کرنے میں کون ہماری مدد کرے گا؟ اور اگر ہم میں سے کسی طاہرہ بہن کو اپنی مشکلات کا حل مل گیا اور وہ قرآن کے احکامات اور تعلیمات پر عمل کر کے اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے میں کامیاب ہو گئی تو ایسا کونسا طریقہ ہے جس سے وہ اپنی بہنوں کے دکھ بانٹ سکے؟

طلوع اسلام ہمارے لئے بھی کوئی پلیٹ فارم مہیا کرے۔ جس کے تلے ہم اپنے مسائل کے حل کے لئے کوشاں رہیں۔ ایسے مواقع فراہم کرے، جن میں ہم طاہرہ بہنیں اپنے سلیم بھائیوں کے شانہ بشانہ فکر قرآنی کو عام کریں۔ ایسا سلسلہ شروع کرے جس سے ہم بابا جی کے بتائے ہوئے طریقوں کو عمل میں لانے کی کوشش کریں اور کم از کم گھریلو ماحول پرسکون ہو جائے۔

ہم اپنے بابا جی کی "طاہرہ بیٹیاں" تو ہیں لیکن کب تک اپنی پہچان کو "طاہرہ" کے نام سے چھپائیں گی۔ کب تک اردگرد کے خوف سے خط کا اختتام "آپ کی طاہرہ بیٹی" پر کریں گی۔ ایسا کب ممکن ہو گا کہ ہم اپنے نام کے ساتھ "طاہرہ" تحریر کر سکیں گی؟ میری اس تجویز پر غور ضرور کیجئے گا۔ اس طرح بابا جی کی طاہرہ بھی زندہ رہے گی اور ہماری اپنی پہچان بھی پوشیدہ نہیں رہے گی۔

میری اپنے سلیم بھائیوں سے گذارش ہے کہ اب جبکہ بابا جی ہم میں نہیں رہے اور ہمارے خطوط کا جواب دینے والا بھی کوئی نہیں تو کوئی ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے ہم طاہرہ بہنیں فکر قرآنی کو عام کرنے میں فعال رہیں۔

اپنے سلیم بھائیوں کے لئے دعا گو---- جو بابا جی کی کاوشوں کو عملی جامہ پہنانے میں پیش پیش ہیں۔

آپ کی

طاہرہ بہن

10 مارچ 2000ء

ضرورت برائے رشتہ

قرآنی گھرانے کے پاکیزہ اخلاق، ستودہ صفات دوبچوں کے لئے مناسب رشتوں کی ضرورت ہے۔ عزیزہ کی تعلیم بی۔ ایس۔ سی، عمر 23 سال ہے اور امور خانہ داری میں مہارت رکھتی ہے جبکہ عزیز کی عمر 28 سال ہے۔ عرب امارات میں انجینئرنگ کے پیشہ سے منسلک ہے۔ خواہش مند احباب سے درخواست ہے کہ وہ درج ذیل پتہ پر بذریعہ خط و کتابت رابطہ فرمائیں۔

M.T.S معرفت ادارہ طلوع اسلام

B-25 گلبرگ 2 لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

...ید خاں' کھاریاں/اوسلو

چیف ایگزیکٹو مملکت خداداد پاکستان جناب پرویز مشرف صاحب
اور محترم ممبران NAB

...م و رحمت و خوش آمدید
...پ کی اچانک' وقت کے تقاضوں کے عین مطابق اور ...ت آمد پر پوری قوم نے سکھ کا سانس لیا' ماسوائے چند ...وں کے جو پاکستان کا درپردہ سودا کر چکے تھے اور وہ "قومِ ...ن" میں سے تھے۔ آپ کی آمد پر پاکستان میں ہی نہیں ...ے یورپ' بلکہ ساری دنیا میں خوشیاں منائی گئیں اور قوم ...ے ایک ایک فرد کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آتے چلے گئے ... فرعون کے گھر میں موسیٰ پیدا ہو گیا۔ اے اللہ اس مردِ ...من کو استقامت اور سلامت میں رکھیو اور استقامت دیتے ...ے جائیو!

اے مردِ مومن' اب پوری قوم منتظر ہے آپ کے موجودہ ...ی اقدام کی' کہ اعلانِ احتساب تو سب نے کیا لیکن عملی ...تساب مسلسل نظر انداز ہوا' معلوم نہیں ان مجرمین نے اپنے ...مرد کون کون سے کرگل بنا رکھے تھے جو آج تک کسی بھی ...مومن سے سر نہ ہو سکے۔ خدارا! ان غداروں کے ...تراشیدہ "کرگلوں" کو پاش پاش کر دیجئے کہ یہ ملک و قوم پر ...پ کا بہت بڑا احسان ہو گا؟

...الارض للہ (قرآن) زمین کا مالک صرف اور صرف اللہ ہے ... انسان یا کوئی نام نہاد جاگیردار اس کی ملکیت کا دعویٰ نہیں ...سکتا۔ انگریز کے کتوں کو نہلانے والے ان خوشامد پرست اور ...ان خود ساختہ جاگیرداروں اور غداروں سے پوچھا جائے کہ تم یہ ... زمینیں کہاں سے لائے؟ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپوں' ...ے بزرگوں کے نام رجسٹری ملکیت آسمان سے نازل فرمائی ... حالانکہ یہ زمین بنی آدم کے آنے سے پہلے موجود تھی اور ...ے کے بعد بھی موجود رہے گی کہ قرآن کے مطابق یہ زمین ... پانی اور دھوپ کی طرح یکساں طور پر تمام بنی نوعِ انسان کے رزق و استفادہ کے لئے کھلی ہے اور کھلی رہنی چاہئے۔

اطلاعاً" عرض ہے کہ جب تک آپ ان جاگیرداروں سے ان کی ناجائز و ناحق اور لامحدود جاگیریں مکمل طور پر چھین کر حکومت کی تحویل میں نہیں لے آتے تب تک ہماری معیشت' عزت و تکریم اور وقار کے ساتھ اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کا دعویٰ ہے۔ جس کے بارے میں آپ ہم سے زیادہ جانتے ہوں گے اور اگر آپ یہ قرآنی حکم و اقدام کر گذرے تو یقین جانئے کہ یہ آپ کا صرف پاکستان یا پاکستانیوں پر ہی نہیں بلکہ پوری کی پوری ملتِ اسلامیہ پر احسانِ عظیم ہو گا اور اس مردِ مومن کا نام ملتِ اسلامیہ کی تاریخ میں ہی نہیں' سورج کی کرنوں سے آسمان پر لکھا جائے گا کہ جاگیرداروں کے وہ طوق و سلاسل' جنہوں نے انسانیت کو صدیوں سے اپنے شکنجے میں جکڑ رکھا تھا آکر آزادی دلائی جس کے نتیجہ میں آنے والی نسلیں آزاد پیدا ہوئیں۔ کون نہیں جانتا کہ ماسوائے پاکستان کے پوری دنیا میں نظامِ جاگیرداری کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ کیا یہ لعنت پاکستان ہی کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے؟ یہ ارضِ پاکستان تو لاالہ الا اللہ کے جھنڈے تلے وجود میں آئی تھی جسے ہم دو قومی نظریہ بھی کہتے ہیں اور لاکھوں ماؤں بہنوں' بیٹیوں کی عصمتیں لٹا کر وجود میں آیا تھا۔

اے حاکمِ وقت ! زندگی ایک بار ملتی ہے بار بار نہیں ملتی' اگر یہ موقع اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے دیا ہے تو آگے بڑھئے اور اس ظالمانہ نظام کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکئے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر رہے!

ملی نہیں ہے ہمیں ارضِ پاک تحفے میں
جو لاکھوں دیپ بجھے ہیں تو یہ چراغ جلا

خیر اندیش۔ چوہدری سردار حمید خان' کھاریاں/اوسلو' ناروے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر رفیع اللہ شہاب

حقائق و عبر

1- **فرقہ اہل حدیث کے موجودہ دور کے امام حدیث :-** فرقہ اہل حدیث کے علماء' مشہور سعودی عالم دین شیخ محمد ناصرالدین البانی کا محدث العصر کے طور پر تعارف کراتے ہیں' حال ہی میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے اہل حدیث رسائل و جرائد میں ان کے بارے میں مضمون شائع ہوئے ہیں' اہل حدیث کے سب سے زیادہ ثقہ ہفت روزہ الاعتصام کی 18 فروری کی اشاعت میں دو مضمون شائع ہوئے ہیں۔ ایک مضمون مولانا ارشاد الحق اثری' ممبر اسلامی نظریاتی کونسل اور دوسرا اس کے سابق ایڈیٹر حافظ صلاح الدین یوسف کا تحریر کردہ ہے۔ شیخ ناصر الدین نے ایک صد سے زیادہ کتابیں لکھیں' ان سب کا موضوع صحیح احادیث کو ضعیف احادیث سے الگ کرنا ہے۔ ان کی اکثر کتابیں فرقہ اہل حدیث کے منہ پر طمانچہ ہیں۔

شیخ البانی اپنی تحقیق کے نتیجے میں اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ جو حضرات اپنے آپ کو حدیث کا علمبردار کہتے ہیں' وہ اصل میں حدیث کے منکر ہیں' وہ اپنے مطلب کی ضعیف اور جھوٹی احادیث اپنا لیتے ہیں اور سچی اور صحیح احادیث کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ ساری عمر اسی کام میں لگے رہے کہ صحیح اور ضعیف احادیث کی نشاندہی کریں۔ چنانچہ ان کی کتابوں کے عنوان بھی زیادہ تر اسی حوالے سے ہیں۔ انہوں نے کچھ اہم موضوعات پر کتابیں بھی لکھیں' جن میں یہ بتایا گیا کہ حدیث کے علمبردار' کس طرح صحیح احادیث کو ترک کر کے اپنے مطلب کی ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم موضوع سونے کے زیورات تھے' سونے کے زیورات کے حرام ہونے کے بارے میں پوری ایک درجن احادیث ملتی ہیں۔ جن میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ نہ صرف یہ کہ سونے کے زیورات حرام ہیں بلکہ جو عورت بھی ان زیورات کو پہنے گی اسے قیامت کے دن' انہی زیورات سے عذاب دیا جائے گا اور جو مرد بھی اپنی عورتوں کو ایسے سونے کے زیورات لا کر دے گا' اسے بھی قیامت کے دن' انہی زیورات سے عذاب دیا جائے گا۔ آج سونے کے زیورات پر اس غریب قوم کے اربوں کھربوں روپے برباد ہو رہے ہیں اور ملک میں بددیانتی کی سب سے بڑی وجہ یہی سونے کے زیورات ہیں' کیونکہ کوئی شخص بھی اپنی حلال کی آمدنی سے انہیں مہیا نہیں کر سکتا۔ قوم کو اس حرام سے بچانے کے لئے زیورات کے حرام ہونے کے بارے میں نہ تو کبھی کسی اہل حدیث عالم دین نے کوئی حدیث پیش کی اور نہ ہی ملک کے لاکھوں دوسرے علماء نے ایسا کیا۔

یہ احادیث جب طلوع اسلام میں پیش ہوئیں تو اہل حدیث سمیت یہ تمام علماء اچھل پڑے کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں۔ چنانچہ اس موضوع پر اخبارات میں طویل بحث چھڑ گئی۔ بندہ نے شیخ محمد ناصر الدین کی تحقیق کا ترجمہ ان حضرات کی خدمت میں پیش کیا۔ جو ان سب احادیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے سونے کے زیورات کو مسلمان عورتوں کے لئے حرام قرار دیتے ہیں تو انہیں سانپ سونگھ گیا۔ ان صحیح احادیث کو ضعیف اور جھوٹا قرار دینے والے کسی اہل علم میں اتنی اخلاقی جرات نہیں

تھی کہ وہ اس محدث العصر کی تحقیق کو تسلیم کر لیتے۔ ان کی کتاب کا اردو ترجمہ "سونے کے زیورات کی شرعی حیثیت" کے عنوان سے اردو بازار لاہور کے ایک ناشر دوست ایسوسی ایٹس نے شائع کر دیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے اس امام حدیث کی تحقیق کے مطابق' ہمارے تمام علماء جن میں فرقہ اہل حدیث کے علماء بھی شامل ہیں۔ منکر حدیث قرار پاتے ہیں۔

2- عمرہ کے بارے میں فرقہ اہل حدیث کے امام کی تحقیق :- فرقہ اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" میں ان کے سب سے بڑے علامہ جنہیں وہ شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں' کے فتوے شائع ہوتے رہتے ہیں' ان کا نام نامی حافظ عبداللہ محدث روپڑی تھا۔ ان سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس بارے میں جو فتویٰ دیا وہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

سوال : عمرہ کے اوقات کیا ہیں اور دو عمروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ تعاملِ صحابہؓ اس مسئلہ میں کیا ہے؟

کیا دو عمروں کے درمیان اتنا فاصلہ ضروری ہے کہ سر کے بال اگ آئیں۔ کیا دو عمروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ وطن واپس آکر دوبارہ مثل حج سفر کر کے جائے؟ یا قیام مکہ میں بھی متعدد عمرے کئے جا سکتے ہیں؟ عمرہ کی کیا کیا شرائط ہیں؟ جن کے فقدان سے عمرہ نہیں ہوتا اور ان کی موجودگی ضروری ہے۔

جواب : "عمرہ کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ بارہ ماہ درست ہے۔ دو عمروں کے درمیان کے فاصلہ کا کسی روایت میں ذکر نہیں۔ سر کے بال اگنے کی بھی کوئی شرط نہیں۔ یہ صرف اس غرض سے ہے کہ عمرہ کے بعد حجامت کے ساتھ احرام سے نکلے مگر احرام سے نکلنے کے لیے اور بہت سی باتیں ہیں۔ خوشبو کا استعمال' بیوی کے پاس جانا' احرام کے کپڑے اتار کر دوسرے کپڑے پہن لینا وغیرہ وغیرہ۔ پس احرام سے نکلنے کی خاطر دوسرا عمرہ اتنی دیر سے کرنا کہ بال اگ آئیں۔ اس کی کوئی وجہ نہیں۔"

فرقہ اہل حدیث کے مولوی امام ابن قیمؒ کو امام ابو حنیفہؒ سے بھی بڑا امام تسلیم کرتے ہیں' اس بارے میں ان کے اس امام کی تحقیق یہ ہے کہ نہ تو رسول اللہ ﷺ نے زندگی بھر کوئی عمرہ کیا اور نہ ہی کسی صحابیؓ نے' ہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو عمرہ کرنے کی اجازت دی تھی کیونکہ وہ حج کے دوران خانہ کعبہ کا طواف نہیں کر سکی تھیں۔ ان کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کے موقع پر مکہ شریف میں داخل ہوئے تب بھی آپ نے عمرہ ادا نہ کیا۔ قاضی شوکانی نے امام ابن قیمؒ کی یہ تحقیق سیرت النبی پر ان کی کتاب "ھدی فی خیرالعباد" سے اپنی کتاب نیل الاوطار جلد چہارم کے صفحہ 315 پر نقل کی ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عمرہ کے بارے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ بطور امام حدیث انہیں ضعیف قرار دیتے تھے۔ لیکن آج فرقہ اہل حدیث کے علماء اپنے امام کی اس تحقیق کے خلاف نہ صرف فتوے دے رہے ہیں بلکہ عمرہ پر عمرہ ادا کر رہے ہیں' دراصل ان میں سے بعض علماء کو مفت عمرے کرائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے وہ اپنے امام کی اس تحقیق پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔

3- حج پر قربانی :- علامہ جاوید احمد غامدی صاحب ایک ماہوار دینی رسالہ "اشراق" لاہور سے شائع کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس رسالے کو امت مسلمہ میں فکری انقلاب کا داعی قرار دیتے ہیں۔ اس فکری انقلاب کے داعی کی مارچ 2000ء کی اشاعت میں حج کی قربانی کے بارے میں یہ تحقیق شائع ہوئی ہے :

"لہٰذا حاجی صفا اور مروہ کے مابین پھیرے لگا کر اور منیٰ میں جانور ذبح کر کے دراصل علامتی طور پر اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ اے عالم کے پروردگار اگر کبھی تیرا دین ہماری قیمتی ترین چیز قربان کرنے کا تقاضا کرے گا تو سیدنا ابراہیم کی طرح ہم اس کے آگے اپنا سر تسلیم خم کر

دیں گے۔

حج کی اس عظیم عبادت میں ذہنی اور روحانی طور پر شریک کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے غیر حاجیوں کو جانور کی قربانی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عیدالاضحیٰ پر جانور ذبح کرنے کے پیچھے کس قدر غیر معمولی فلسفہ و حکمت کار فرما ہے۔"

ان کی اس تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قربانی حج کا بھی رکن ہے اور عیدالاضحیٰ پر قربانی کرنا بھی لازم ہے۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ امت مسلمہ میں فکری انقلاب کے داعی کو اس عام سے مسئلہ کا علم بھی نہیں کہ قربانی حج کا رکن نہیں۔ جو لوگ وہاں قربانی کرتے ہیں ان حضرات کو اس بارے میں اگر شرعی حکم کا علم نہ تھا تو عام عقل سے کام لیتے ہوئے بھی معلوم کر سکتے تھے کہ قربانی حج کا رکن نہیں۔ پچھلے سال بیس لاکھ مسلمانوں نے حج ادا کیا۔ جن میں سے صرف چار لاکھ نے قربانی کی' باقی سولہ لاکھ نے کوئی قربانی ادا نہیں کی تھی۔

ہمارے ملک سے جو لوگ حج پر جاتے ہیں انہوں نے کبھی وہ حج ادا نہیں کیا جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کیا تھا جسے اصطلاح میں حج قرآن کہتے ہیں۔ وہ اس کے بدلے حج تمتع ادا کرتے ہیں جس کے بارے میں قرآن مجید کی سورت البقرہ کی آیت 196 میں یہ حکم ہے کہ جو کوئی ایسا حج ادا کرے تو وہ اس کی تلافی کے لئے جانور کی قربانی کرے یا اس کی بجائے دس دن کے روزے رکھے۔ ہمارے حاجیوں کو اگر اس شرعی حکم کا علم ہوتا تو وہ قربانی کی بجائے دس دن کے روزے رکھنے کو فوقیت دیتے اور اس طرح حج کے اخراجات سے اپنے پانچ ہزار روپے بچا لیتے۔ لیکن یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے جو یہ قربانی دی ہے یہ وہی روایتی قربانی ہے جو وہ عیدالاضحیٰ پر کرتے ہیں اور علامہ غامدی صاحب بھی اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں!۔

چونکہ حج تمتع کے لئے قرآن مجید میں قربانی کرنے یا دس روزے رکھنے کی شرط عائد کر دی گئی تھی۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ ایسے حج کو ناپسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ساتھ جن لوگوں نے حج کیا ان میں ایک کثیر تعداد نے اس موقع پر قربانی نہ کی۔ ان کی خوراک کی ضروریات پوری کرنے کے لئے آپ نے پورے ایک سو اونٹ ذبح کئے۔ آپ نے یہ اونٹ پھینک دینے کے لئے ذبح نہیں کئے تھے جیسا کہ آج کل رواج ہے" چونکہ اس موقع پر بہت کم لوگوں نے قربانی کی تھی' اس لئے ان کے لئے ان سو اونٹوں کا گوشت بھی کافی نہ رہا۔ یہاں تک کہ وہ ان کی سریوں کا گوشت بھی کھا گئے۔ تاہم جن صحابہ کو اس گوشت سے حصہ نہ مل سکا رسول اللہ ﷺ نے ان کی دل جوئی کے لئے ان میں اپنے موئے مبارک تقسیم فرمائے۔

جہاں تک حج سے باہر قربانی کا تعلق ہے تو اس بارے میں امت مسلمہ کے تمام فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ **یثاب فاعلها ولا یعاقب تارکها** کہ قربانی کرنے والے کو ثواب ملے گا اور نہ کرنے والے کے لئے کوئی عتاب نہیں۔ یہی نہیں بلکہ اکثر صحابہ کرامؓ سرے سے قربانی ہی نہیں کرتے تھے۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے۔ انہوں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اس لئے قربانی نہیں کرتے کہ کہیں لوگ اسے ضروری نہ سمجھ لیں۔ (کتاب الام جلد دوم صفحہ 189' محلی ابن حزم جلد ہفتم ص 358) امام زین العابدین جو امت مسلمہ کے نیک ترین شخص تھے ان کا ارشاد ہے کہ بنو ہاشم کا سارا قبیلہ رسول اللہ ﷺ کی قربانی کو اپنے لئے کافی سمجھتا تھا اور انہوں نے کئی سال تک قربانی نہ کی (نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار۔

برصغیر کے مشہور عالم دین علامہ غلام مرشد صاحب جو نصف صدی تک شاہی مسجد کے خطیب رہے ان کی یہ تحقیق تھی کہ قربانی بھی حج کی طرح زندگی میں صرف ایک بار ضروری ہے۔ علماء نے ان کی تحقیق کا علمی جواب دینے کی بجائے سادہ لوح عوام کو ان کے خلاف اکسایا جنہوں نے ان پر اینٹیں پھینکیں۔

4- **فرقہ اہل حدیث کے سلطان المناظرین** :- فرقہ اہل حدیث حافظ عبدالقادر روپڑی صاحب کو سلطان المناظرین کا

خطاب دیتے ہیں جس کے معنی ہیں مناظرہ بازوں کے بادشاہ۔ ان کی حال ہی میں وفات ہوئی ہے اور فرقہ اہل حدیث کے تمام رسائل و جرائد نے انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے خصوصی اشاعتوں کا اہتمام کیا ہے۔ ماہنامہ محدث جس کے ایڈیٹر ان کے ایک عزیز حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب ہیں' نے اپنی مارچ 2000ء کی اشاعت اسی مقصد کے لئے مخصوص کی ہے۔ انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ چونکہ اہل حدیث کے تمام رسائل میں انہیں مناظروں کا بادشاہ قرار دیا گیا تھا' اس لئے بندہ نے یہ معلوم کرنے کی بڑی [illegible]شش کی کہ اس بارے میں ان کے کارہائے نمایاں کیا ہیں۔ [illegible] ان کے چند اہم ترین مناظرے بیان کئے گئے ہیں جن [illegible] یہ ہے۔

[illegible]ستان کے معرض وجود میں آنے سے قبل حافظ [illegible] روپڑی کا ایک مناظرہ ہمارے سابقہ گاؤں [illegible] ضلع لاہور (حال بھارت) میں مسئلہ تراویح پر [illegible] محمد عمر اچھروی سے ہوا تھا۔ مجھے تو اس کا ہوش [illegible]' ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ رب العزت نے [illegible] صاحب کو بڑی کامیابی سے ہم کنار فرمایا تھا۔

[illegible] ان کے چند مناظرے ایسے بھی ہیں جن میں راقم [illegible]حروف شریک تھا۔ ایک دفعہ لاہور مسجد وزیر خان کے [illegible] میں ایک شخص کے گھر "اولیاء اللہ حاضر ناظر ہیں!" کے موضوع پر مناظرہ ہوا۔ مقابل نے آٹھویں پارہ کے [illegible] میں حضرت صالح علیہ السلام کے اپنی مردہ قوم سے [illegible] تخاطب سے استدلال کیا کہ ثمودی صالح علیہ السلام کی بات سنتے تھے۔ اس کے جواب میں موصوف نے [illegible]: اس کا معنی یہ ہے کہ کافر بھی حاضر ناظر ہیں تو وہ سوچ میں پڑ کر لاجواب ہو گیا۔

3- اسی طرح ایک دفعہ ایک مناظرہ مغلپورہ لاہور کی توحید مسجد میں مسئلہ علم غیب پر ہوا۔ اس میں راقم الحروف [illegible]ئل مہیا کر رہا تھا اور آپ مدمقابل کے سامنے دلائل کے انبار لگا رہے تھے۔ جب مقابل کی انتہائی پریشانی کو دیکھا تو کہا : پانی پینا ہے اور نہ پینے دینا ہے' آخر کار مقابل نے میدان مناظرہ سے راہِ فرار اختیار کی۔

4- ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مولوی محمد عمر اچھروی نے سرحدی گاؤں جاہمن میں اہل حدیث کو جا للکارا۔ وہاں اہل حدیث معمولی تعداد میں تھے۔ وہ لوگ حافظ عبدالقادر روپڑی کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم بڑے پریشان ہیں' آپ ہمارے ساتھ چلیں' اچھروی صاحب نے مناظرہ کا چیلنج کر دیا ہے۔ آپ فوراً ان کے ہمراہ ہو لئے۔ جب ہم وہاں پہنچے تو مدمقابل وہاں سے غائب ہو گئے اور مناظرے کی نوبت ہی نہ آئی۔"

دیکھئے اہل حدیث کے ان مناظروں کے بادشاہ کے مناظرے کس موضوع پر تھے۔ یعنی نماز تراویح' علم الغیب' اور اولیاء اللہ کا مقام۔ جہاں تک عملی مسائل کا تعلق ہے ان کا کہیں ذکر نہیں۔

5- **پرویزیت اور قادیانیت** :- ماہنامہ الارشاد کے صفحہ سولہ پر جناب عبدالخالق بھٹی صاحب عنوانِ مذکورہ کے تحت پرویز صاحب پر خوب خوب کیچڑ اچھالتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو پاکستان کے ممتاز عالم دین اور سکالر اور انٹرنیشنل ختم نبوت تحریک کے مرکزی امیر و مولانا ڈاکٹر احمد علی سراج صاحب کا شاگرد رشید قرار دیتے ہیں' ان کے اس استاد صاحب نے پرویز صاحب کے خلاف علماء سے جس فتویٰ پر دستخط کرائے تھے وہ روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی کے ملی ایڈیشن میں نو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس کا مناسب جواب طلوعِ اسلام میں دو قسطوں میں جنوری اور مارچ میں شائع ہو چکا ہے اور روزنامہ نوائے وقت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

بھٹی صاحب کے ان ممتاز عالم دین کی جہالت کا بھانڈا ان مضامین میں پھوڑا جا چکا ہے۔ یہ اپنے آپ کو تحریکِ ختم نبوت کا مرکزی امیر کہتے ہیں اور اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا درود شریف استعمال کرتے تھے کہ جس میں ختم نبوت کا انکار تھا' ان

کی اس جہالت کو طلوع اسلام کی جنوری کی اشاعت میں پیش کیا جا چکا ہے اور پھر جن علماء حضرات سے اس نے پرویز صاحب کے خلاف کفر کے فتویٰ پر دستخط کرائے تھے ان میں سے پہلے چار علماء کا تعارف کرایا جا چکا ہے کہ وہ بیچارے کفر اور اسلام اور حرام و حلال میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔

اب ان کے شاگرد رشید کی فتویٰ بازی ملاحظہ ہو کہ وہ کس طرح پرویز صاحب کو کافر قرار دینے کے جنون میں موجودہ دور کے تمام علماء کو کافر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پرویز صاحب پر کیچڑ اچھالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ایک نے ارض قادیان کو حرم امت قرار دیا دوسرے نے 25-B گلبرگ کو حرم ملت۔ ایک نے اپنے شیطانی الہامات کو وحی کا درجہ دیا دوسرے نے اپنی ابلیسی "بصیرت" کو وحی کا قائم مقام ٹھہرایا۔ ایک نے ختم نبوت کا انکار کیا دوسرے نے "فرمان نبوت" کا۔"

بھٹی صاحب کا یہ مضمون رسالہ کے پانچ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور جیسا کہ علماء کی عادت ہے کہ بغیر کسی موضوع کے تین تین گھنٹے تقریر کر سکتے ہیں انہوں نے بھی مختلف الفاظ میں پرویز صاحب کے خلاف یہ الزام بار بار دھرایا ہے کہ وہ منکر حدیث تھے۔ اس لئے وہ کافر ہیں۔

بھٹی صاحب اپنے استاد سے بھی زیادہ لاعلم معلوم ہوتے ہیں' کیونکہ ان کے اس فتویٰ کی رو سے تو موجودہ دور کے تمام علماء جو صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں اور جھوٹی احادیث کا سہارا لیتے ہیں وہ سب کافر قرار پاتے ہیں۔ ان کے انکار حدیث کی کچھ تفصیلات اسی اشاعت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ جن کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

1- فرقہ اہل حدیث کے امام' امام ابن قیم' عمرہ کے بارے میں ایک حدیث کو بھی صحیح نہیں مانتے تو بھٹی صاحب کے فتوے کا پہلا شکار وہ ہوئے۔

2- سونے کے زیورات کے بارے میں فرقہ اہل حدیث کے محدث العصر کی تحقیق پیش کی جا چکی ہے کہ علماء اس بارے میں ایک درجن احادیث کے منکر ہیں اس لئے بھٹی صاحب کے فتویٰ کی زد نہ صرف ان پر پڑتی ہے بلکہ پاکستان کے تمام علماء پر کیونکہ وہ سب سونے کے زیورات کو' حرام قرار دینے والی احادیث کے منکر ہیں۔

3- غیر حاضر زمینداری اور مکہ مکرمہ کے مکانوں کے کرائے کو سود قرار دینے والی صحیح احادیث جن کی موجودہ زمانے کی علمی تحقیق سے تائید ہوتی ہے۔ اہل حدیث سمیت تمام علماء ان کا انکار کرتے ہیں۔ مودودی صاحب نے تو ان صحیح احادیث کو رد کرنے کے لئے ایک کتاب "مسئلہ ملکیت زمین" لکھی۔ یہ بھی بھٹی صاحب کے فتویٰ کی زد میں آتے ہیں۔

4- امام ابن تیمیہ نے یہ عقیدہ کفر قرار دیا کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے آج تمام علماء جن میں مودودی صاحب' مولانا امین اصلاحی' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب وغیرھم سب اس عقیدے پر ایمان رکھتے ہیں تو امام ابن تیمیہ کے فتویٰ کے مطابق بھٹی صاحب ان تمام علماء کے مقام کا تعین کر سکتے ہیں۔

5- یہی نہیں بلکہ ہمارے علماء سینکڑوں ایسی صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں جو ان کے مفاد کے خلاف ہیں۔ ان کی کچھ تفصیل طلوع اسلام کی حالیہ اشاعتوں میں پیش کی جا چکی ہے۔ اہل حدیث کے وہ علماء جو اپنے آپ کو علامہ اور شیخ الاسلام کہتے ہیں ان کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ احکام الحدیث کے عنوان سے کتاب ہی ترتیب دے دیں۔ وجہ یہ تھی کہ اس طرح وہ بے نقاب ہوتے تھے کیونکہ صحیح احادیث کے سب سے بڑے منکر تو وہ خود قرار پاتے ہیں۔ جس کی کچھ جھلکیاں سابقہ سطور میں پیش کی جا چکی ہیں۔ بھٹی صاحب کی تحقیق کے مطابق وہ سب کافر قرار پاتے' اس لئے انہوں نے "احکام الحدیث" کے عنوان سے کتاب لکھنے سے گریز کیا۔

پرویز صاحب نے فرمایا کہ ان لوگوں کی حدیث کے بارے میں منافقت کا پردہ چاک کرنے کے لئے "احکام الحدیث" کے نام سے کتاب مرتب کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ ان کی ہدایت پر

راقم نے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب مرتب کر دی ہے جو چار جلدوں اور دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اردو بازار کے ایک ناشر دوست ایسوسی ایٹس نے شائع کی ہے۔ بھٹی صاحب اس کتاب کا مطالعہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ موجودہ تمام علماء کس طرح صحیح احادیث کا انکار کرتے ہیں اور انہوں نے جو فتویٰ کفر پرویز صاحب پر تھوپا ہے' اس کے زیادہ مستحق یہ تمام علماء قرار پاتے ہیں۔

6- تاریخ کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش :- ایک صاحب خورشید ندیم صاحب تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے روزنامہ جنگ لاہور کی 29 فروری 2000ء کی اشاعت میں لکھتے ہیں۔

"مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی ابتدا" اس بات کے قائل تھے کہ تمام برصغیر ایک اسلامی ریاست ہو لیکن جب حالات نے بتا دیا کہ ایسا ممکن نہیں ہے تو مولانا آزاد محض آزادی کے لئے یکسو ہو گئے اور سید مودودی نے اس کے تین حل پیش کر دیئے اور بعد میں پاکستان کی شہریت اختیار کر کے' گویا زبان حال سے یہ کہہ دیا کہ اس مسئلے کا وہی حل ممکن تھا جو ان کا اپنا پیش کردہ ایک حل تھا۔"

صاحب موصوف کو مودودی صاحب کی کتاب "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کی تیسری جلد کا مطالعہ کرنا چاہئے جس میں مودودی صاحب نے اپنے پورے زور سے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی اور اسے مسلمانوں کی کافرانہ حکومت قرار دیا تھا' اس بارے میں ان کی اس کتاب کے اقتباسات متعدد بار ماہنامہ طلوع اسلام میں پیش کئے جا چکے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جماعت اسلامی والے تاریخ کو مسخ کرنے کی بھرپور کوشش میں مصروف ہیں۔ مودودی صاحب اس طرح تاریخ کو مسخ کرنے کی بجائے' اپنی غلطی تسلیم کر لیتے تو ان کی عزت میں اضافہ ہوتا۔ جیسا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے کر کے اپنی عزت میں اضافہ کیا تھا۔

7- بلا تبصرہ :- لنڈن (انگلستان) سے شائع ہونے والے مشہور اخبار گارڈین نے اپنی 25 جنوری کی اشاعت میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے عزائم کے بارے میں ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہاں کے تعلیمی اداروں میں ایسی نصابی کتابوں کو مروج کیا جا رہا ہے کہ جس سے مسلمانوں اور اسلام کے خلاف نفرت پھیلتی ہے۔ اس کی ایک معمولی سی جھلک ملاحظہ ہو۔

"اس بارے میں ایک حساب کی کتاب میں یہ سوال دیا گیا ہے کہ اگر ایک مسجد کو چار ہندو رضا کار گرا سکتے ہیں تو بیس مسجدوں کو گرانے کے لئے کتنے رضا کار درکار ہوں گے"۔

ہندوؤں کا یہ طرز عمل ان علماء حضرات کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے جنہوں نے قائداعظمؒ کہ جس نے ان کے لئے علیحدہ وطن بنانے کے لئے اپنے دن رات ایک کر دیئے تھے' اس پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا!

امن عالم

ملک حنیف وجدانی

(اکیسویں صدی میں)

امن عالم ! عزت انسان سے
امن عالم ! غلبۂ قرآن سے
بھوک سے ہو عزت و ایمن تباہ
امن عالم ! عدل اور احسان سے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے

مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے

"ختم نبوت اور تحریک احمدیت"

طلوع اسلام ٹرسٹ، 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

I talked to Miss Judy Smith about the hardship of the people I witnessed with my own two eyes. She agreed that it was inequitable that people of one country are ostracized from jobs, shelter, enlightenment, which are available to people of another race. She cited the example from within every community and said, 'Just look at women: they are still not being given equal opportunities.'

I felt like saying, 'Stop it at once,' but then, I knew this was not possible; situations do not just cease to transpire, they have to be made to stop; I did not know how.

My intuition tells me that we are all responsible for the unfair situation. How can one person live in extravagance while numberous others are not even given the opportunity to develop themselves?

Demoralised, I remember going to my (hermit) friend, Tabitha; she had abandoned the so-called materialistic world. I asked her what the purpose of life is; what is its meaning? She said; 'Our lives do not really matter because in two hundred years, we are bound to have been dead.' She expressed her opinion that our lives are like a rat race; implying that nothing we do in our lives really matters. She further added, 'One day the sun will lose its energy and the solar system will one day collapse and everything will go out of existence.' (Scene fades)

Philosopher sitting on her sofa; reflecting

My past thoughts have intrigued me. It is as if a spear has pierced my body and is such inside. Sitting here, I remember the quote of Keynes, who said, 'in the long run, we are all dead'. I am not going to accept Tabitha's doctrine of contentment and idleness. My logic tells me that everything has a point, in a larger context and also in terms of a single life.

Tabitha has made a big supposition, even if material things end, did Values end'' My discussion with Tabitha had only highlighted the material aspect of life. I am convinced that we will all die, but my understanding of philosophy tells me that even after my death, the self will continue to live. The point lies in the self. The self can be elevated when we, as a society, give off our immediate gains to others so that they too are able to nurture the Self. By enabling others to develop we will also be cultivating ourselves. Why should one accept poverty, hunger and the degradation that comes with it? I inconsolably shout to the heavens, why? (Scene fades)

Today, Miss Judy Smith and I went to Pizza Hut; we had decided to treat ourselves. Laughing and talking together, we saw an energetic child staring from the window. I notices her grieved eyes. She had a huge sack on her fragile back. She was trudging, trudging, trudging....

Voice of Youth

A MONOLOGUE

By
Saima Hamid
"A" Level student, London.

A Philosopher Reflects

I recollect the time I went shopping with my friend and teacher, Miss Judy Smith, that an impoverished child, maybe the age of twelve, came over to me. His outlook was scruffy and his face pale. He was fatigued. He said, 'Baji, please buy these books from me. 'What on earth was he calling me; I just hoped he was not swearing. I bought two books as a souvenir.

That journey through the countries of Asia and Africa is still outstanding in my memory. I saw luxury and covetousness for wealth on one side while on the other I saw affliction, misfortune and torture.

I evoke that the smile on his face, often associated with young children, was replaced by a more solemn look. Somehow even now, I cannot forget that sedate look on his face. He looked older than his years.

My after thoughts since that day have intrigued me; the process of questioning my self has started. Whose fault is it that the unidentified, deprived, deluded child is born in penury while the child born with the golden spoon in his mouth lives all his life in splendour?

Nobody is able to satisfy my persistent questions. Why do I see crying diseased children, helpless parents and shelter-less souls? My consciousness urges me to accept that it is unscrupulous (and unjust); but what is to be done about it? The dispossessed and destitute child is not responsible for the country and class he is born in to. Should he suffer? (Scene fades)

Sitting in her garden drinking tea

As I sit here, I thank God for all he has endowed me with; I feel I can prize the opportunities that come to me; but what about the people who live in emptiness; no house to live in, no clothes to hide in; what about them? I recall that all this has disillusioned me. Nobody is able to satisfy my persistent questions. I remember weeping and giving out a cry; someone would help me, but then, I knew that my cry of anguish would just fade in to muteness. Nobody would hear me; the children would just giggle.

A Letter to Nazim

From

Maqbool Farhat

Dear Iqbal Idrees Sahib

Salaam-o-Alaikum

When a society becomes debased, vile, its actions and habits sometime touch the boundary of extremism. European society gives incredulous importance to personal freedom, that is freedom of thought, choice, habit, action at the expense of individual and collective morality. This has wrecked the institution of marriage and family life. Now Homosexuality is becoming the norm. Mrs. Thatcher the former prime minister of U.K. made a law that this subject will not be discussed and taught in schools run by Local Bodies. Hence an amendment called Section 28 of local Bodies Act was passed in 1987.

The present Labour Government is hell bent on repealing this clause. It has suffered defeat in House of Lords recently but Govt. is pushing it again to repeal this clause so teachers can teach the subject.

London Bazm made a strong protest against this attempt. In this country protesters do not come on the streets and uproot the traffic lights and vandalise every thing in their path. One has to lobby the local M.P who will air the feelings of his constituents in the parliament.

Here is a protest letter Bazm sent to its local M.P. It may be of interest for the T.Islam readers.

Hon Mike Gapes MP
The House of Commons
London SW1A OAA
Section 28

Dear Sir,

Members of the above organisation have expressed their deep concern to the repeal of Section 28. The association's next meeting is in March next and by then it would be too late to register our protest. We do not want to see Homosexuality promoted in our schools.

Bazm Tolu-e-Islam urges you to vote against the repeal of Section 28.

As Muslims we firmly believe in the Holy Quran that condemns strongly the homosexual practice that is unnatural and a moral evil. The Quran says:

"Lot was sent to his people to whom he said: "You commit indecencies such as were never committed before by any people. You go after men lustfully rather than after women. You are people given to extreme immoral behaviour." (Al-Quran 7:80-81)

Any teaching or exposure in schools that presents homosexual practice as respectful, normal is deeply offensive to Muslims. Repealing Section 28 would mean that marriage and homosexuality is at par to each other. Virtues and values of married family life is sacrificed at the altar of immorality. I earnestly hope you will stand up against the repeal of Section 28.

On a personal note I am a labour Part member of Clementwood ward and have strong vies against homosexuality.

Maqbool Farhat
Representative
Bazm Tolu-e-Islam London

When Hazrat Isah (AS) utters the words: "I am Allah's servant/slave" (19/30) that "I am the son of Josef the carpenter" is believed to be a proof for him not a father. This cannot be accepted, because on this occasion he is telling people s Allah's messenger, and therefore it would be strange, if Isah (AS) said, "I am of a carpenter". Hazrat Mohammad (PBUH) is also mentioned as Allah's lave (see for example 2/23), and this does not mean that he is born without a

zrat Isah (AS) only mentioned as "Isah bin Maryam" (19/34) in the Quran exclude him of not having a father. Let us turn this argument the other way example in the verse 20/94 Hazrat Aron (AS) says to Hazrat Moses (AS) of my mother...." Does this mean that Moses also was born without a father. e Hazrat Isah's father is not mentioned in the Quran does not mean that he e one.

the article brought in the last issue of OPSA there is written: "... everything the Quran is 100 % correct." And in an another place: "...the Quran is complete without any errors..." I could not put it better myself and we ree more. "The problem is" only that we have not made it clear upon hat the consequences of the above mentioned ayats and their traditional ns have on our perception of the Quran!!

can one uphold the assumption that Isah (AS) was born without a father eferred ayat do not unanimously support this opinion? Would one really still there are contradictions in the Quran? Or would one just suppress the saying that "Allah knows His own matters best"? How can we use the opriate when it is bound by all sorts of prejudices and preconceived hich all have their roots in Jewry or Christianity?

Tolu - e - Islam is not just a Journal. It is a movement for spreading Quranic knowledge.

different religious directions. Parwez himself refers to verse 30/31-32 where there is stated that one is MUSHRIK, if one lets oneself identify in a sect instead of the Muslim millat (and he is not alone).

Actually, I am not trying to defend the person Parwez. I only want to tell and defend the truth – the truth which among others Ibn Khuldum, Sir Syed Ahmed Khan, Allama Iqbal and G. A. Parwez represented. The truth which is not theirs, but belongs to the Quran and Allah. These people were among the few who understood the truth and held onto it. Especially with the hope that others would grasp it for themselves. I could have ignored the printed article, but silence is also a choice – a wrong choice.

Let our starting point be those Quranic ayat which are immediately intelligible and ared referred to Hazrat Isah (AS) **being born** without a father: 19/20; 19/30 and 19/34 *(these are the ayat referred to as evidence of Isah (AS) being born without a father - my comments in this translated article).*

19/20: "She said: how can I have a son when no man has touched me and neither am I unchaste" (See also 3/47). Traditionally one ASSUMES that at the time she gets this message, she is pregnant. But this assumption and precondition is not documented in the Quran. Her exclamation of surprise (19/20), is only natural, because she has not, at that moment, touched any man, because she was living as a nun (3/37), and did not intend to do it either as a nun. Nothing mystical about that. But this ayat tells nothing about that she will not touch any man in the future - namely her righteous lawful husband. Neither do these ayat tell us anything about whether she was pregnant at that moment when Allah's message was delivered – neither do these ayat tell us that Isah (AS) was born WITHOUT a biological father.

Lets expand our horizon a little bit with the help of the Quran. Firstly the Quran tells us time after time that we should travel in this world and discover how this world is organised, and that verily there is sign for men who use their intellect and who understand (2/164; 3/190). Secondly, Allah has created everything including the physical laws. And there appear NO changes in His laws (6/115; 48/23); even his messengers do not have the authority to make changes in them (3/127). There would also be a conflict, if Allah changes His laws after His whims and wishes (or not follow them) then He cannot be righteous – and Allah is absolutely righteous (see 41/46). Allah also says that He does not change His way of creating (30/30) e.g. there is no exceptions when Allah creates.

And dear friends; there is a need for both a man and a woman to get a child. It is Allah's law and He according to 6/115 and 48/23 will not break.

After this check the verse 6/101. Quran's counter proof of the Christian view that Hazrat Isah (AS) is God's son is given by the argument in verse 6/101: ".... How can He (Allah) have a son when He does not have a wife." The ayat actually starts with telling us that Allah is aware of EVERYTHING between the skies and the earth (and of course everything in them) – if we have forgotten it. After this is used a plain logical argument that to have a child you should have a woman and a man. ALLAH ALSO uses the argument upon Himself. Said in a different way: If God wanted A SON then he also has to have a partner. If this prerequisite for both a male and female to get a son apply to Allah, why does it not apply to Maryam (AS)?

PARWEZ IS NOT ALONE

By

Dr. Imran Parvaiz

In a magazine printed by the youngsters of Denmark there was an article that had two messages: 1. *Parwezis* are *kafir/murtad* and 2. *Hazrat Isah* was born without a father (and since Ghulam Ahmed Parwez said he was not born without a father, he was a *murtad*). The magazine is printed by OPSA – The Organisation of Pakistani Students and Graduates. The translated article is the answer to the article claiming Parwez and persons of the same thought of being *murtad*. The article in response is as follows:

This article retorts on the article "Parweziism–deniers of the Quran and the-Hadith" brought in the last issue of OPSA-News. The views that are expressed in the article is the general perception of those people who do not know the literature of Ghulam Ahmad Parwez – a perception which exists in spite of their knowledge to the contrary. As having knowledge of his literature, I find it necessary that OPSA-News readers get the whole or at least a better picture of this very much debated person, Parwez. Is the critical view in the article brought in last OPSA-news legitimate or completely unfounded, this is for the reader to decide. My article is not pointed at any person and should therefore not be taken as a personal attack.

They deny jinn (ghosts), Zakaat, Jannat (paradise), Dozakh (hell) and hadith, and now also the Quran, is stated in the above-mentioned article. Then the article focuses on the story of Isah Alaihes Salaam (AS). The argument is that "every" Muslim is convinced that Isah (AS) was born without a father, and when Parwez claims that he HAD a father (and he is not alone) he thereby denies the word of the Quran.

Firstly, Ghulam Ahmad Parwez could not have been all that heretical with his philosophical background and as an advisor in Deen to the Quaid-e-azam, and as having been awarded the "Tahreek-e-Pakistan Gold medal" in 1989. Secondly, he has never denied the Quran. He understands the Quran from the Quran's own premises (and he is not alone). Thereby he has denied the traditional APPROACH to understanding the Quran, but NEVER the Quran ITSELF. There is a BIG difference between these matters.

Everybody says that he is a liar and a heretic, but the person himself has never had the opportunity to defend himself. One puts the words in his mouth and gets him to sound as ones own wishes. Fatwaas, blasphemy charges and accusations against him for starting the sect "Parweziism" are all the way groundless. These wrong accusations and allegations are taken for granted without anyone questioning the intentions of these allegations and hidden agenda. It is exactly the same way as Sir Syed Ahmad Khan was accused of being the founder of the sect "Nachuri". Why accuse Parwez of being Parwezi and Sir Syed for being "Nachuri"? Only to scare people from their literature that speaks to the heart through the **mind**. These men have never claimed to be founders of sects, on the contrary they say that we should not divide ourselves into

(ii) *No attempt should be made to replace interest-bearing government securities by equities.* For such a step would (a) deprive the government of any means for inflationary or non-inflationary borrowing; (b) knock out the secondary reserves of the commercial banks, thereby putting severe constraints on money creation; and (c) make the money market ineffective in its main task of risk minimisation.

(iii) On the limited plane of the commercial banking operations, interest-bearing deposits and advances to the private sector may be indexed to the changes in the price level. The indexing percentages will be announced at the end of each year by the State Bank as a certain *multiple* of the rate of change of the price level.

(iv) Long-run loan-financing by the financial institutions may be done through a system of investment-auctioning.

(v) Interest-free loans may be given as a subsidy to small-scale industries, modest construction activity, etc.

(vi) *As one of the options* for profitable investment, it is being proposed to establish investment companies which invest on behalf of the commercial banks on the basis of profit-sharing. These companies will not share any losses but will work for a commission. The profits and losses will be passed on to the banks, which will distribute them among those who deposit their money in a special interest free bank account.

(vii) *However, in the long-run,* riba *can be wholly abolished only if the economy is completely restructured in a way that renders the institution of interest redundant.* This will involve a complete dovetailing of the process of money creation and the productive activity in the 'real' sector of the economy. The process of money creation instead of being conducted indirectly through the money market, will have to be linked directly to the real sector.

(Concluded)

For All Publications of Allama Parwez
and recorded lectures on Quran
Please contact:
TOLU-E-ISLAM TRUST
25-B, Gulberg 2 Lahore-Pakistan.
Current Account No. 4107-35
Main Gulberg Branch
Habib Bank Limited
Lahore
Phone: 5753666 - 5764484
Fax: 092-42-5764484
Email: trust@toluislam.com
Internet: http://www.toluislam.com

most important source of the non-inflationary and inflationary finance to the

By issuing long-term securities, the government raises non-inflationary loans from public, while inflationary finance requires the issuance of short-term deposit receipts, which the State Bank prints new money. It is thus clear that interest-bearing securities form the hub of the entire monetary structure, which would collapse if they are abolished: monetary policy, in the traditional sense, will cease to be operational, while government will have no way of raising non-inflationary, non-tax finance.

It follows that so long as the capitalistic structure of the economy continues unchanged, there is a definite limit beyond which the process of abolishing interest can not go. The Islamic reform, aiming at the abolution of riba must therefore remain 'partial', 'covering' only a small part of the economy. What should then be done? Can't we ever abolish *riba* on an economy-wide basis? *Not if we persist with the capitalistic economic system*, where the financial and real sectors of the economy are linked together through the money market and where investment and saving decisions are made independently by atomistic "economic agents". An economy which operates on a limited-liability basis can never completely do away with *riba* if only because a large class of small savers are risk averters. *All this must change if the ultimate goal is the abolition of* riba.

MONETARY CREATION

There is no way to abolish *riba* on an economy-wide basis unless the process of monetary creation is *directly* linked with the process of production *and* both the saving and investment activities are perfectly coordinated. This, in effect, means that the public sector must become not only the saver and investor but also the producer. Furthermore, the entire banking system will have to be effectively nationalized (as has already been done in Pakistan) and then operated *only* as a means of providing finances *directly*—and *not* through the money market which will cease to be—to meet the liquidity requirements of the real sector of the economy.

But can we do all this? Is it not Socialism that we are advocating? Not at all! As has been shown, this solution follows directly from the logic of the Islamic Reform. We don't have to step outside of the Islamic system to reach a stage the basic features of which have been delineated in this section. As pointed out in Chapter 4, we do not reject a solution just because it resembles the one offered by Socialism. For if we were to use this logic consistently we will also not be able to advocate an economy run mainly on the basis of profits-which is the linchpin of Capitalism. If we can't have a private sector because it reminds us of Capitalism and a public sector because it smacks of Socialism, what else shall we have for the Islamic system? A complete answer to this question can be given only when an Islamic economy, based on *al-Adl wal-Ahsan* has become fully operational. Only then, through the process of learning-by-doing, shall we come to recognize an Islamic economy just as we recognize Capitalism and Socialism. Till that time, we must move slowly and steadily towards the ultimate goal, concentrating first on those aspects of the Islamic solution which come to grips with the problem of poverty, want and economic deprivation.

RECOMMENDATIONS

SUMMARY. Now to summarise the main recommendations of this chapter.

(i) The proposal to substitute profit-sharing within the existing economic system for the interest-based system should be rejected. Any such attempt, besides being incompatible with the basic conception of a capitalistic economy like Pakistan's will make it impossible for the State Bank to conduct monetary policy in the traditional sense.

be made to this arrangement before it can work in practice: (i) The profit-sharing system must somehow incorporate the principle of limited liability without which no economic system based on capitalistic principle can work; and (ii) This arrangement will operate within the overall interest-based system, so that it is only one option among many available to the investors.

These general principles can be incorporated through investment companies, which, being more *knowledgeable* about the working of the financial system, can minimize risk under condition of uncertainly. Since they will be managing an investment portfolio, they will not bear any loss but will charge a commission for their services. Under this system, banks will be investing through these companies the funds made available to them by *those depositors who wish to take risk*. This is not only Islamically legitimate but makes economic sense as well because the risk will be borne by those who are not risk-averters, this latter class still having the option of risk-free, interest-bearing investment.

LIMITED LIABILITY

It may be objected that the proposed arrangement is not Islamically legitimate because, according to it, the individual liability to risk is limited. This may be so, but, as pointed out above, the profit-sharing system can work *within the capitalistic system* only on the basis of limited liability. And in making a transition to the Islamic system there is no option available to the policy-maker but to accept the present financial structure as the natural starting point for introducing bits and pieces of the Islamic reform. The problems of the transition period, when we have to work with non-Islamic system, will be inevitably different from those faced in a full-fledged Islamic economic system. *During this period only 'second-best', or even 'third-best', solutions will be available.*

(v) THE LONG-RUN SOLUTION: How far can we go down the road leading to the economy-wide abolition of *riba* with the help of the above-mentioned measures? Not very far. As far as the banking sector is concerned, the proposals will 'cover' only time deposits on the 'liabilities side' and bank advances on the 'assets side' of the commercial banks' "T-Accounts". *These proposals will not in any way change the status of the interest-bearing securities.* This is because the interest-bearing government securities in Pakistan account for all the "secondary reserves" of the commercial banks and for about 73 per cent of their total reserves, which form the basis of money creation through the banking system. Hence, if these are abolished, the 'monetary base' will shrink by about three-quarters, causing a sharp fall in the money supply. These securities also offer an outlet for short-term, risk-less investment of their "excess reserves" by commercial banks because the risk of loss on sale is zero on securities—a feature that makes them both highly liquid and marketable. It is for this reason that the money market, of which the banking system is an important part, uses interest-bearing government securities to perform effectively their risk-minimization function—i.e. the function of keeping a proper balance between securities and equities, and among equities of differing maturities.

The spread of risk, ranging between the zero risk and the high-risk investment options, is called the "interest-rate structure". This range is the continuum through which monetary policy makes an impact on the 'real sector' of the economy. This holds not only for those policy instruments which formally involve manipulation of the interest rate—e.g. the Bank Rate and the Open Market Operations—but also for those which do not carry a similar involvement—e.g. variations in the cash reserve requirements. *In terms of their effect on the financial and real sectors of the economy, all these instruments are equivalent because they all operate on the same "interest-rate structure".* Interest-bearing government securities also

The proposal to index time deposits and bank advances to the rate of change of the price level satisfies all these requirements. Each year the State Bank may decide the percentage by which the nominal value of bank deposits (i.e. time deposits) and bank advances should be escalated. The indexing need not be automatic; nor does it need to be one hundred per cent. All that is being proposed is that the indexing be some *multiple* of the rate of inflation: it could be less or more, than, or equal to, one hundred per cent, depending on the size of the required return (cost) of saving (borrowing). The rate of indexing can also vary with the period for which saving (borrowing) is being done.

LEGITIMATE

The proposed system is Islamically legitimate because indexing will be some percentage of the *rate of change* of the price level—a variable quantity. On a limited scale, it will also be economically viable and a perfect alternative to the interest bearing option. In fact, there is a decisive advantage in the proposed system over the existing interest-based system: it makes inflation-conscious all those who stand to gain most by inflation, namely the bankers and the borrowers. Since there is a definite cost attached to it, everyone will have a 'vested interest' in controlling the rate of inflation. The proposal is also administratively simple—a decisive advantage over the administrative nightmare that the proposed profit/loss-sharing system will inflict on the policy-makers.

(iii) INVESTMENT-AUCTIONING SYSTEM: The proposal is designed to provide a mechanism to regulate the terms on which long-term lending is done by financial institutions and takes into account, as far as possible, considerations of social profitability in private investment decisions. The proposed system can be operated as an alternative to, or in conjunction with, the system of indexing loans to changes in the price level. Under this system, the financing institutions will periodically auction investment athorisations to investors through the market mechanism. This procedure will make it possible for the investors to take into account the scarcity price of capital, which will be high and positive in a capital scarce economy, in making investment decisions. In order to prevent an unnecessary 'cornering' of investment authorizations by a few bidders and also to reflect social investment priorities, the auctions will take place periodically according to the following scheme.

The Government, in consultation with the planning Commission and other responsible authorities, will parcel out total investment resources into several categories of investment to be specified in an investment schedule. Each broad category of investment in the investment schedule would be assigned a maximum monetary limit. Auctioning will stop in a particular category once the monetary limit assigned to it is reached.

This system will achieve both of the objectives stated above and will ensure that total investment resources are not all forced into those uses which are considered to be the most profitable from the point of view of individual investors. It will also prevent overcapitalization and excess capacity, and will not allow the capital-labour ratio to go too far out of line with the resource endowment pattern of the country.

It may be asked whether this system has an element of *riba* built into it. The answer is in the negative. All that is envisaged in the scheme is that the investors will be allowed possession of scarce investment resources only at a price, which will correspond to the prevalent scarcity of capital resources. *The scarcity price will not be fixed in advance: instead, it will be determined by the supply of and demand for investible funds.*

(iv) INVESTMENT COMPANIES: The profit-sharing arrangement, while unfeasible as a substitute for *riba* on an economy-wide basis, can be usefully employed to promote interest-free investment *on a limited scale.* However, two basic amendments have to

bouts of inflation Pakistan has experienced since 1971. Inflation has not only tended to discourage saving, it has also encouraged investment (in nominal terms), thereby 'widening the gap between investment and saving.

IN SEARCH OF VIABLE ALTERNATIVES: The Committee, after taking account of these and other considerations, set out towards the end of this chapter, has rejected the widely held opinion that the profit-sharing system can completely replace interest *within the matrix of the economic system in operation at present.* Instead, it proposes:

(i) A limited scheme for giving interest-free loans as a subsidy;
(ii) For the banking sector, a comprehensive non-automatic system of indexing which will be symmetrical with respect to bank deposits and bank advances;
(iii) A system of Investment Auctioning or long-run advances by financial institutions, including banks;
(iv) An investment company which invests in risky ventures on behalf of the banks on the basis of profit-sharing; and
(v) A long-run solution to the problem which relates the abolition of *riba* directly to the process of restructuring the real and the financial sectors of the economy along Islamic lines.

(i) INTEREST-FREE LOANS: Since capital commands a scarcity price in Pakistan, interest-free loans will constitute a net subsidy to the borrowers, the size of the subsidy depending on the level of the 'real' rate of interest in the economy.

As noted Chapter 4 and 5, the government may have to subsidise the production of wage goods. To the extent the private sector under-takes the production of such goods, interest-free loans may be extended to it. However, the subsidy given in this form would partly or wholly preclude the fiscal subsidies normally given to the private sector. In fact, it is possible to generalize this system to 'cover' most of the private sector. It should be noted that the subsidy given in this form will be in the nature of a *permanent* subsidy—i.e. once it is extended as a part of the Islamisation package, *it cannot be withdrawn.* Hence, it will be essential to impose additional taxes on those industries for which the subsidy is no longer needed.

SMALL HOUSES

Interest-free loans may also be given to those sectors which require *permanent* subsidization by the government. The construction of small houses, particularly those built in rural areas or urban slums, need to be subsidized. Furthermore local initiative in the construction of hospitals, nursing homes, modest schools and small-scale industries in the rural areas should be encouraged through this policy.

(ii) INDEXING TIME DEPOSITS AND BANK ADVANCES: As pointed out above, in the persistent inflationary situation that the world (and Pakistan) will have to live with for quite some time in the future, it is essential that steps are taken to encourage saving and promote a most economical use of investment resources. Inflation cuts both ways discourages saving and favours borrowing and investment. The longer the period for which savings are kept or borrowing sought for, given the rate of inflation,-- or the higher the rate of inflation, given the period for which saving and borrowing are done—the greater will be the disequilibrium between investment and saving. It is for this reason that periods of high inflation are associated with rising rates of interest. Any proposals to abolish the institution of interest from the banking system must keep these considerations in view together with the fact that the return on saving, or the cost of borrowing, *must not be fixed in advance,* for that would be *riba.*

horse. In fact, there is a real danger that the abolition of *riba* and its replacement by the profit-sharing system will increase the level of economic exploitation of the poor by the rich, thereby negating the basic Islamic principle of *al-Adl wal-Ahsan*.

The following paragraphs will clarify the Committee's stand-point both on the question of *Zakat* and on the abolition of *riba*. A few proposals will be given on how to deal with the latter problem.

THE INTRODUCTION OF ZAKAT

The Committee fully supports the Government's decision to introduce *Zakat* as a part of its bid to introduce Islamic values into the Pakistani society. However, it will be a gross confusion to consider *Zakat* to be an end in itself and to hold the naïve view that once this is done the economic problem will more or less be solved.

It is the Committee's opinion that such emotionalism must be avoided. Things must be seen in their proper perspective and not exaggerated out of all proportions. It is important to look at *Zakat* as a *limited* step to raise resources to finance the elaborate social security and anti-poverty programmes which will be essential elements of an Islamic economic system. The basic thing is to offer an Islamic solution to the problem of poverty and of an uneven distribution of wealth in the society. In that perspective, *Zakat* is only *one* of the policy instruments to achieve the objective of an Islamic economy.

OTHER TAXES

It is essential to realize that the imposition of *Zakat* does not preclude the imposition of other taxes—not only on income but also on wealth. The comprehensive and revolutionary Islamic conception of *infaq*—"And they ask thee what they ought to spend. Say: That which is superfluous" (al-Qur'an, 2:219)—should be the focal point of our thinking on how much resources should be transferred from the rich to the poor. It was this conception which led Hzarat Abu Dharr, the distinguished companion of the Holy Prophet (peace be upon him), to his revolutionary view that *absolute* equality must hold in the distribution of income and wealth.

ABOLITION OF *RIBA*: The Committee is strongly of the opinion that popular discussion on *riba* does not show a full understanding of the complex nature of the problem. Firstly, It will be an exaggeration to maintain that the *zulm* (social injustice) in the society can be entirely explained in terms of the existence of a positive rate of interest. In fact, it is profit that is by far the most important source of economic exploitation in a capitalistic society. Hence, while means must be found to abolish *riba* albeit in very easy steps, any proposal to replace it by profits will not necessarily be a step-towards the Islamic Ideal insofar as it negates the objective of *al-Adl wal-Ahsan*.

Secondly, as noted above, an *economy-wide* abolition of *riba* can come about *only* within the context of far-reaching readjustments in both the 'real' sector-consumption, production and distribution relations—and the financial sector of the economy. Thus, to maintain that the abolition of *riba* is the *first* step towards, or even the necessary precondition of, an Islamic economy is a gross inversion of "priorities" in the realm of policy-making.

Thirdly, in a capital-scarce economy, like Pakistan's, it is meaningless to even talk of a zero rate of interest. The real question is not how to abolish interest rate, or even how to lower it: the problem is how to replace it with a system which reflects more accurately the opportunity cost of capital. It may be noted parenthetically that the interest rate in Pakistan has *not* performed this function adequately: the 'real' rate of interest in Pakistan has mostly been negative! However, this is *not* an argument for abolishing interest, but for raising it to an appropriate level. The problem has assumed greater importance in the context of the severe

should be carried out on the basis of the size of land held by the family and *not by individuals*. Corresponding steps must also be taken to regulate the size of urban property. Furthermore all lands which have remained uncultivated for three consecutive years should be taken over by the State without paying any compensation to their owner. Also, grazing lands; mines, natural forests, springs and lands reclaimed through State-financed irrigation should all be owned by the State and cultivated on its behalf.

(ii) The government should actively promote free and *universal* education, particularly at the primary level.

(iii) The rate and form of economic growth as well as the strategy of growth must be carefully reviewed to reflect Islamic economic philosophy. The rate of growth must be consistent with the requirement of intergenerational equity. The role of public sector in promoting capital accumulation and producing wage goods must also increase as a part of the Islamic reform. Heavy reliance on the private corporate sector to generate investible surplus *must* be discarded as a policy instrument.

(iv) The government should take steps to promote the growth of an economically efficient labour-intensive technology in order to increase the employment-generating content of the development programme. In this connection, emphasis should be given to the promotion of technical education.

(v) An elaborate social security and anti-poverty programme should be mounted to ensure a minimum consumption standard to the poor and to subsidise the process of skill formation among those living below the poverty line. The government should also take steps to supply medical care, including rehabilitative medicine, to the poor, particularly those residing in rural areas and urban slums.

SINGLED OUT

THE ISLAMIC POLICY PACKAGE-II: Popular discussions of the Islamisation process have singled out the abolition of *riba* (which is held to denote interest in all its modern manifestations) and introduction of *Zakat* to be the center-pieces of the Islamic Reform. There is no denying the fact that in the *Islamic* economic system there is no place for *riba* and that *Zakat* will be an essential *element* of the Islamic fiscal policy. However, it is crucial to understand that what holds for an Islamic system may not be valid within the context of a capitalistic economy. As is well-known, the capitalistic system is based on the principle of limited liability because individuals have only limited knowledge about the working of big financial institutions and production units. It is entirely reasonable that limited knowledge should entail only limited risk. *It follows that the institution of interest, symbolizing the limited-liability principle is entirely reasonable and fair within the matrix of the capitalistic system.*

However, Islam rejects interest as unjust. What should then be done? The popular view asserts that the Islamic principle, being divine, would work in every economic system perfectly. Not only that. According to this view, Capitalism itself will be "purified" and work more efficiently if only *riba* were abolished and replaced by the not-so-divine principle of profit-sharing. The Committee rejects such views as both naïve and harmful.

The Islamic injunction against *riba* constitutes a rejection of the entire capitalistic system. It is, in fact, a signal for a complete restructuring of the entire economic system along Islamic lines: the Islamic principle of *al-Adl wal-Ahsan* must be reflected in the basic consumption, production and distribution relationships. The abolition of *riba* will come about only as a part of this fundamental readjustment of the economy. To think of abolishing *riba* without reference to the "totality" of the Islamic economic system is to put the cart before the

...ing to that generation. It follows that what public policy must be aiming at is *optimal* saving and not *maximal* saving. Such a 'balanced' policy will also require a proper mix of consumer goods and capital goods obtained through domestic production and/or foreign trade.

The second dimension of the problem concerns the *form* of economic growth. It is common knowledge that economic growth in most of the developing countries, including Pakistan, has been immiserizing—i.e. economic growth is adding to, instead of subtracting from, economic misery in the society—mainly because of a capital/labour ratio that is far too high in relation to their resource endowments: in labour-abundant countries a 'high' capital/labour ratio makes growing unemployment consistent with economic growth. This state of affairs should be unacceptable to any economic system, the Islamic system being no exception. However, it should be noted that the problem is one of the choice of inappropriate techniques, in part due to bad planning. However, the prevalence of uneconomically high capital/labour ratios in labour-abundant developing countries like Pakistan is mostly due to the failure of such countries to evolve capital-saving methods of production. In other words, the problem is one of promoting appropriate technological change, which in turn depends on the supply of relevant technical education.

The third aspect of economic growth, which needs to be regulated to reflect Islamic intentions, is the exact strategy pursued to promote high rates of economic growth. In 'mixed' capitalist economies, such as Pakistan's economic growth has often been promoted by encouraging considerably investment through the private corporate sector. However, such a strategy has had very undesirable effects on the distribution of income and wealth. It should be clear that a strategy which uses widening income differentials to finance high growth rates must be rejected as contrary to the Islamic commitment to *al-Adl wal-Ahsan*. It also follows that the role of the public sector must increase in an Islamic economy to promote capital accumulation. Not only that: the public sector must also be called upon to produce, through State enterprises, wage goods consumed by the poorer sections of the society.

(iv) SOCIAL SECURITY AND ANTI-POVERTY PROGRAMME: The Qur'anic verse, "In their wealth, the beggar and the outcast (destitute) had due share" *clearly points to an economic system wherein an individual's consumption level is not necessarily proportional to his income.* The difference between these two magnitudes—viz. individual income and level of consumption—has to be made up by a social security programme which *guarantees* a minimum consumption level to the poor, the sick and the old in the society, and subsidizes the process of skill formation, particularly among those who live below the poverty line. This programme will also provide general Medicare and "rehabilitative medicine"—i.e. artificial limbs hearing aids, etc.

RECOMMENDATIONS

SUMMARY: The Committee's recommendations in this chapter can now be summarized.

(i) The Government should take immediate steps to curtail substantially the private ownership of property with a view to promoting a wider distribution of income and wealth outside the closed circle of individual families. In this connection, it is absolutely essential that the Islamic Law of inheritance be implemented in its full multidimensionality, particularly in respect of that aspect of it which emphasizes the share of the non-family members of the society in national wealth. A registration fee, up to a maximum of 30 per cent of the total value of the wealth inherited by each heir, is recommended to prevent intergenerational snowballing of wealth within few families. Furthermore, land reforms

inherited wealth, which keeps on growing within the same family? With wealth come political power, privileges and social influence and it should clearly be the concern of the State to prevent, and to destroy if it is already in place, the system of family oligarchy, which tends to be the strongest anti-reform, reactionary force in the society. Hence, for any one to take the extreme position that the Islamic Law of Inheritance effectively pre-empts any redistributive initiative of the State is really to condone a highly exploitative economic system. Such a position, whatever the cover of legality it may claim from the Law of Inheritance, is clearly against the spirit of *al-Adl wal-Ahsan:* indeed, it is also against the spirit of the Islamic Law of Inheritance.

This Committee rejects such a narrow view of the matter and takes the position that there is considerable room for social reform in this vital area. While legal heirs of the deceased should be protected against any arbitrary action tending to deprive them of their rightful share in the wealth of their parents, the intergenerational snowballing of wealth must be regulated to redistribute wealth among non-family needy members of the society and to prevent the growth of family oligarchies. It is proposed that every time wealth passes from one generation to another when its legal owner dies, each legal heir must be made to pay a registration fee up to a maximum of 30 percent of the total value of wealth inherited by him or her. The percentage can be varied in the light of the financial conditions of the heir, the value of inheritance and the state of encumbrance of the property inherited.

FAMILY HOLDINGS

In addition to this, land reforms should be introduced to reduce the size of the *family holdings* of land. Steps should also be taken to promote the Islamic system of partnership tenancy in place of the widespread practice of hiring out bare land for fixed rent, which, according to some *fuqaha* (theologians), is formally equivalent to *riba.* Furthermore, there is the explicit Islamic position that land not cultivated for three consecutive years should be taken away by the State, without paying any compensation to its owners, and given to those who can cultivate it. These measures should also lead to a more intensive and economic level of cultivation. To ensure rural-urban equity in line with the Islamic commitment to *al-Adl,* it will be essential to take similar steps to regulate the size of urban land holdings and other property. And in line with clear Islamic injunctions, all grazing lands, mines, natural springs and forests must be owned by the State. Also, the un-Islamic practice of granting to individuals lands reclaimed through State-financed irrigation works must be discontinued.

(ii) UNIVERSAL EDUCATION: As pointed out in Chapter 3. Universal education, *at least* at the primary level, must form an integral part of the Islamic policy package both as a mechanism for redistributing income more equitably and as a measure for improving the quality of life. However, it should be kept in mind that education can have the maximum equalizing effect only within the matrix of an economic system which distributes wealth more equitably. It is not enough that opportunities for education are made available: the financial capacity of all members of the society must also be improved to allow them to take advantage of those opportunities.

(iii) EMPLOYMENT GENERATION AND ECONOMIC GROWTH: There can be no two opinions about a highly positive attitude of an Islamic society towards economic growth. However, it will place certain restrictions on the *rate* and the *form* of economic growth as well as on the *policy mix* designed to achieve a pre-assigned growth rate.

As pointed out in Chapter 3, the aim of public policy in an Islamic economy is to make economic growth contribute to the maintenance of *al-Adl* intergenerationally: the cost of economic growth borne by each generation should have some relationship to the benefits

Agenda For Islamic Economic Reform

(Part II)

IT SHOULD be clear by now that the most important, and relevant elements of the Islamic policy package must be those which, *consistent with the overall Islamic requirement of al-Adl wal-Ahsan,* minimize the element of *zulm* in the *existing* society—viz. absolute poverty, excessive income and wealth differentials, low literacy levels and a high rate of unemployment. What can be done about these problems? The most important element of the policy package that suggests itself is a programme for 'Islamising' the institution of private property, *which has been built upon feudalistic—capitalistic foundations.* Other elements of the policy package are vigorous programmes of universal education, particularly at the primary level, and those providing social security in order to relieve absolute poverty. Measures designed to increase the employment 'content' of the economic development process through an appropriate choice of techniques and those meant to regulate the rate of economic growth to preserve intergenerational equity should also compete for the attention of the policy-makers. A brief explanation of these proposals is given below.

(i) PRIVATE PROPERTY: According to some rough estimates, private property accounts for about one-third of the GNP in most of the capitalistic countries. Similar estimates are not available for Pakistan, but it can be safely asserted that privately-held wealth—urban and rural property, including land, houses, jewelry, etc.—accounts for a large part of the inter-class income differentials. It follows that no programme of income redistribution can make much sense unless the distribution of wealth in the society is mad equitable, *to begin with.*

MOST IMPORTANT

The most important element of wealth is landed property, which is not only the source of inequity but also of social tensions and moral degeneration in the society. It is, therefore, essential that steps are immediately taken to regulate this institution in a manner which conforms to the Islamic concept of trusteeship rather than that of ownership. The crucial question is: what form should (and can) State intervention take particularly during the "transition" period—the transition from the present non-Islamic to the Islamic system—to translate the idea of trusteeship into a set of meaningful socio-economic relationships.

The central issue to decide in this context is the extent to which the Islamic Law of inheritance allows a wider distribution of landed property *outside the small circle of legal heirs* to prevent intergenerational snowballing of wealth—i.e. each generation adding to the

(39:70) و وفیت کل نفس بما یفعلون

"That a man can have nothing, but what he strives for". Is its basic principle. As described earlier under the heading 'usury', any profit on the capital is totally unlawful and amounts to declaration of war against Allah and the Divine System of His Rasool. As a matter of fact, the question of profit on capital does not arise when nothing surplus to the needs is left with anybody.

8. As said earlier in item (4) above, in the Islamic Order surplus wealth is not left with any person. Thus the question of raising personal property does not arise, which includes land, wealth, industry, trade, etc. Everything remains in the custody of the State, so that the needs of every individual get fulfilled and their standard of living goes on rising, and then eventually this system, surpassing its boundaries, extends to embrace humanity at large.

9. It shall be the duty of an Islamic State to establish such an economic system in the light of this basic guidance of the Holy Quran which can satisfy all the requisites of 'Rabubiyyat', so that nourishment is neither held back from anybody, nor his dignity is injured. This system shall gradually come into force. The Quranic injunctions relating to charity, inheritance, etc. are of transitory nature for the period in which this system is still taking shape and is not yet finalized. This also ought to be kept in mind that this system shall be established by those who consider it a part of their belief and yearning of their hearts. This is the motive force for its establishment and stability. In the absence of such a driving force, a system of this kind can neither get established, nor can it survive.

Honourable Sir!

I have briefly described above the Economic System of an Islamic State, as ordained by the holy Quran. However the explanatory details are in addition to it. In case any problem arises during the course of putting the Quranic economic system in to action. TOLU-E-ISLAM is at your service.

Sir,

Please note that Tolu-e-Islam is not a political or religious party. The only aim of this organization is to deliver the message of the Book of Allah to the humanity at large.

Yours faithfully;

(Dr. SYED ABDUL WADUD)

(c) For the remuneration of those who are entrusted with the duty of collecting 'Sadaqaat' (the source of state revenue).

(d) Whose consolation of hearts is required. It means that those people who are prepared to join the Divine System but some impediments do not allow them to take this course; they should be helped in the removal of these impediments.

(e) To get freedom for those fastened to the chains of other's captivity (subjugation).

(f) To help those who are under the enemy's debt or penalty, and cannot manage to pay it off on their own.

(g) Also the wayfarers who are in need of money.

(h) In addition to the above, anything conducive and helpful to the general welfare of humanity by the Divine System.

Described above are the codes laid down by Allah based on knowledge and wisdom.

In this verse the item of 'in the Divine Cause' is very comprehensive. It includes all other avenues of usage, which the Islamic State deems necessary.

Note: Amongst us the above items are known as items of Zakaat expenditure. This is not correct. The Quran has clearly described them as item of 'Sadaqaat' and not of 'Zakaat'. Even the prevalent concept of 'Zakaat' itself is different from the Quranic concept.

6. Earth (Land) is the basic source of production. Because an Islamic State has the momentous responsibility of provision of 'Zakaat' to fulfill, therefore this basic source of production (the land) cannot remain in the ownership of individuals. Land remains under the charge of the State, so that the needs of the individuals may get equally fulfilled. In Surah Haa-Meem Sajdah (41st. Chapter of the Quran) it is said:

(41:10) وجعل فيها رواسی من فوقها ..... سواء للسائلين ○

"He made on the earth mountains standing high above it (serving as a means of its water supply) and bestowed blessings on it (giving it the capability of producing various items) and measured therein all things, to give them nourishment in due proportion in four ERAS (1930 million years, as scientifically calculated)

7. In the Economic System of Islam (except those who are disabled) only that person has the right to receive who puts in labour:

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم ○ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم و ظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون

"O Rasool! These priests and monks, and their followers who (in the guise of their self-made 'Shariat') consider the system of capitalism as the will of Allah, and thus hoard heaps of gold and silver and do not make them available to the usage of humanity, announce unto them a grievous penalty. During the period of Divine System, these will be heated in the fire of Jahannam, (hell), heat will be produced out of that wealth and with it their foreheads will be branded, their flanks and their backs: and this fire shall mount to their hearts (104:6-7): They shall be told, this is the treasure you had hoarded for yourself, so now taste (the treasure) you had buried.

Wealth cannot be allowed to circulate amongst the wealthy alone:

(59:7) لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

5. To meet emergent needs, it is necessary for the people that whatever they have retained for their own requirements, they shall also donate something out of it. This is known as 'Sadaqaat'. This will also not be an individual affair; it shall be carried out under the System of the State. Thus the Rasool (S) was ordained:

(9:103) خذ من اموالھم صدقۃ .... واللہ سمیع علیم ○

"Take their donations (out of their earnings) and in association with other members, make arrangements for their education which would purify them (by removing all doubts from their minds) and nourish them. As they grow in their qualities, you should applaud them because your applause will certainly bring them peace of mind. Allah is All-Hearing and All-Knowing."

In some cases the avenues of usage of such emergency needs have been prescribed by the Quran itself, when it is said:

(9:66) انما الصدقت للفقراء......... واللہ علیم حکیم ○

"About 'Sadaqaat' i.e. wealth which the state spends for public welfare, it ought to be understood that its distribution shall not mean personal benefit or satisfaction of the individual emotions, but it is the right of those:

(a) Who depend on others for their nourishment i.e. those who, for some reason, are not able to earn themselves.

(b) Whose business somehow or other comes to a standstill.

[redacted] placed at the disposal of the state and in lieu of it, becomes the [redacted] of the state to provide a life of peace and plenty (life of Jannat) to the [redacted]s:

(9:111) ان الله اشترى من المومنين انفسهم و اموالهم بان لهم الجنة

The Mumineen (those who profess Eemann-belief in Allah) and the Divine Order enter into a treaty; the Mumineen place their persons and their wealth at the disposal of the Divine Order (sell them) and the Divine Order guarantees a life of peace and plenty (life of Paradise) for them in return.

In this life of Paradise are included all the basic necessities of life, food, clothing, shelter etc. The Quran has introduces to us the paradisiacal life as follows:

(20:118-119) ان لک الا تجوع فیها ولا تعرٰی ۙ وانک لا تظمؤا فیها ولا تضحی ۙ

"There is therein (enough provision) for you not to go hungry, nor to go naked, nor to suffer from thirst from the sun's heat". (Everything mentioned above is available without any undue labour).

3. In this society every individual retains for himself the proceeds of his labour according to his needs and gives over the rest of it for fulfilling the needs of others:

(2:219) و یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو

"(O Rasool!) They ask you as to how much (of their earnings) should they keep open for fulfilling the needs of the others; tell them whatever is over and above their (genuine) needs (16:71)". This system shall be established through the agency of the State; because the Rasool (S) has been ordained: (7:199) "Get the surplus from them". (This is the natural result of the above said treaty/covenant – therefore the question of taking by force does not arise). Those who earn less than their needs, or those who are not capable of putting in labour, do not take it by way of charity but they claim it as a matter of their right, from the collected surplus:

(51:19) و فی اموالهم حق للسائل و المحروم

"In their wealth and possessions is the recognized right of the needy and the disabled."

4. According to the Economic System of the Quran, wealth cannot be accumulated. A severe warning has been given against accumulating wealth:

(9:34-35)

to the holy Quran, man comprises not only the physical body but also his Self or Personality. The nourishment of physical body depends upon taking from others and the development of SELF depends upon giving to others. Thus he has to GIVE and not to TAKE for the development of his SELF. He must work hard not for him self but for others That is the only way to realize his SELF. Hence the Quranic injunction that all that is surplus to your needs belongs to the society (2:219). The spending on others is not by way of charity but by way of human right. (76:9).

After these introductory remarks, I explain herewith the Economic system of an Islamic state as ordained by the Quran.

Economic system of an Islamic state as ordained by the Quran

1. The basic duty of an Islamic State, as ordained in the Holy Quran is Provision of 'ZAKAAT'. Thus it is said:

(22:41) الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ.....

"Those Mu'mineen are the people who if we grant them rule in the land, establish the way of life consistent with the Divine Laws and provide 'Zakaat'. ایتائے زکوۃ Means to provide 'Zakaat'. Thus the providing of Zakaat is the duty of an Islamic State. 'Zakaat' means the providing of the means of nourishment. As such it becomes incumbent upon the Islamic State to provide means of nourishment to the individuals, which includes both nourishment of the body as well as of the human potentialities. Thus it becomes the duty of an Islamic State to make such arrangements that the fulfillment of the basic necessities of life of each individual shall keep going, and also that their potentialities may develop. This is called 'Rabubiyyat' (providing of sustenance). The 'Rabubiyyat' of the entire universe is an attribute of Allah. The words الحمد للہ رب العالمین (1:1) make the beginning of the Quranic text. But the practical application of this attribute of Allah, in the human world, takes its practical manifestation through the agency of an Islamic State. Thus all the responsibilities, in this respect, which Allah has taken upon Himself, are fulfilled by the Islamic State.

In this respect the State becomes responsible to its individuals and their progeny for the fulfillment of their daily necessities of life; and tells them:

(17:31), (6:152) نحن نرزقکم و ایاھم

"We are responsible for your sustenance and that of your off springs."

2. The Islamic social order takes shape by means of a contract between the State and the individuals living in its domain. In this contract, the life and property of the

Open Letter to the Honourable Chief Executive of Pakistan

By
Dr. Syed Abdul Wadud

(Open Letter No.5)

Honorable Sir!

I have already placed before your goodself the basic necessities of an Islamic State, in four installments. Now I describe herewith the Economic System, as ordained by the holy Quran. This shall provide the solution of the most intricate problem in which Pakistan is involved today. Of course the Quranic system of economy differs from capitalism as well as socialism, the two systems that are prevalent in the majority of world population today. The declaration of RIBA as unlawful by are Supreme Court is indeed a welcome step, but even this declaration alone is not the solution of our problem as long as we are monkeyishly sticking to the capitalist economy. The worst part of the whole show is that our politicians are not aware of the basis of an Islamic regime. Our mullahs and mystics are still worse. They rejoice at splitting the Umma into political and religious parties. Capitalism is by nature a complete failure. Both capitalism and socialism have failed to solve the problem of surplus money which is the source of mischief in the world and which has produced exploitation of masses who are in majority, by the rich who are in minority. The question arises why should the exploited work for the exploiters? What is the incentive for their putting in labour? The secular regimes of capitalism and secularism have got no answer to this question.

On the other hand in the west, the idea of welfare state has appealed to many thinking men. This rhetoric is also being repeated in Pakistan, especially by our media. The welfare state like the Quranic society is intended to provide the basic needs of the citizens. Such a state, how ever still remains an ideal which has not been realized. But even if it is setup, will its members have sufficient incentive to work, when they already have all they need? The Quranic society, like the ideal welfare society, seeks to place man above care and want, but unlike the welfare state, it does not weaken but rather stimulates the incentive for work. It inculcates in man that the only that the only ideal worthy of him is the full development of his latent power and that he can realize this idea only through disinterested service of mankind. According